تدبّرِ قرآن

١١

هود

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ا۔ سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

اس پورے گروپ کے عمود اور اس کے مطالب پر ایک جامع تبصرہ ہم سورہ یونس کی تمہید میں پیش کر چکے ہیں۔ یہ سورہ چونکہ ہمارے اصول سے سورۂ یونس ہی کا مثنیٰ ہے اس وجہ سے نفس عمود میں دونوں کے درمیان کچھ ایسا فرق نہیں ہے، البتہ اجمال و تفصیل اور بحث و استدلال کے اعتبار سے دونوں کا نہج الگ الگ ہے۔ سورۂ یونس میں جو باتیں بالاجمال بیان ہوئی تھیں، مثلاً پچھلی قوموں کی سرگزشتیں ـــــــ وہ اس سورہ میں تفصیل سے بیان ہوئی ہیں اور اس حقیقت کی طرف اس کی پہلی ہی آیت نے اشارہ بھی کر دیا ہے (کِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ) (یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں پہلے محکم کی گئیں، پھر خدائے حکیم و خبیر کی طرف سے ان کی تفصیل کی گئی) ان دونوں کا قرآنی نام بھی ایک ہی یعنی 'الٓرٰ' ہے اور یہ بات ہم اس کے محل میں واضح کر چکے ہیں کہ سورتوں کے نام میں اشتراک ان کے مطالب کے اشتراک پر دلیل ہے۔

عمود کے متعلق یہ اشارہ کافی ہے۔ اب ہم سورہ کے مطالب کا تجزیہ پیش کرتے ہیں جس سے پوری سورہ بحیثیت مجموعی نگاہ کے سامنے آجائے گی۔

ب ۔ سورہ کے مطالب کا تجزیہ

(۱-۴) پہلے بطور تمہید قرآن کی یہ خصوصیت واضح کی گئی ہے کہ لوگوں کی تربیت و تعلیم کے مقصد کو پیش نظر رکھ کر اللہ تعالیٰ نے اس کو اس شکل میں اتارا ہے کہ پہلے صرف اصولی اور بنیادی باتیں، گٹھے ہوئے الفاظ میں اجمال و اختصار کے ساتھ، بیان ہوئیں، پھر بتدریج وہ تفصیل کے قالب میں آئیں۔ اس کے بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے اس کتاب کے پیغام کی وضاحت فرمائی کہ یہ اللہ واحد کی بندگی اور استغفار و توبہ کی دعوت ہے اور میں اللہ کی طرف سے بشیر و نذیر ہو کر آیا ہوں کہ جو لوگ استغفار کر کے اللہ واحد کی طرف رجوع کر لیں گے اللہ ایک مقررہ مدت تک ان کو زندگی کی نعمتوں سے بہرہ مند اور اپنے فضل سے متمتع کرے گا اور جو لوگ اس سے اعراض کریں گے ان کے لیے ایک بڑے عذاب کا دن سامنے ہے۔ دنیا میں بھی اور

آخرت میں بھی۔

(۵-۶) ان لوگوں کی حالت پر اظہار افسوس جن کے دل تو یہ گواہی دے رہے ہیں کہ پیغمبر کا ڈراوا بالکل حق ہے لیکن اس کے باوجود وہ حقیقت کا سامنا کرنے سے اس طرح گریز کر رہے ہیں گویا وہ اپنے آپ کو خدا سے چھپا رہے ہیں حالانکہ خدا سے کوئی چیز ڈھکی چھپی نہیں رہتی، وہ پوشیدہ و علانیہ ہر چیز سے باخبر اور سینوں کے بھیدوں سے بھی آگاہ ہے۔ وہی سب کو رزق پہنچاتا ہے۔ اس کو ہر ایک کے مستقر و مدفن کا پتہ ہے۔ ہر چیز اس کے رجسٹر میں درج ہے۔

(۷-۱۱) جزا و سزا کے منکرین اور عذاب کے مذاق اڑانے والوں کو تنبیہ کہ یہ دنیا بازیچۂ اطفال نہیں ہے۔ اللہ نے اس کو اس لیے بنایا ہے کہ وہ دیکھے کہ لوگ کیسا عمل کرتے ہیں۔ مجرموں کو جو مہلت وہ دیتا ہے اس سے دلیر ہو کر شریر لوگ پیغمبر کا مذاق اڑانا شروع کر دیتے ہیں کہ اس نے محض دھونس جمانے کے لیے عذاب کی دھمکی دی تھی۔ انسان کا حال عجیب ہے کہ جب خدا کی پکڑ میں آجاتا ہے تب تو بالکل مایوس اور دل شکستہ ہو جاتا ہے لیکن جب خدا اس کو ڈھیل دے دیتا ہے تو اکڑنے اور شیخی بگھارنے لگتا ہے۔ تھوڑے لوگ ایسے نکلتے ہیں جو مصیبت میں صبر کی اور نعمت میں شکر کی روش اختیار کرتے ہیں۔ انہی کے لیے خدا کے ہاں مغفرت اور اجر عظیم ہے۔

(۱۲-۱۶) پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی حوصلہ افزائی کہ تم مخالفین کے استہزا اور مطالبۂ معجزات سے دل شکستہ نہ ہو۔ تم ایک منذر ہو۔ اپنا فرض انذار ادا کرو، خدا سب کچھ دیکھ اور سن رہا ہے۔ اگر یہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن تمہارا گھڑا ہوا ہے تو ان سے کہو کہ وہ دس سورتیں ایسی ہی گھڑی ہوئی لا کر دکھا دیں اور اس کام میں وہ اپنے شریکوں کی مدد بھی حاصل کر لیں جن کو یہ خدا کے سوا پوجتے ہیں۔ اگر ان کے شرکا اس کام میں ان کی مدد نہ کر سکیں تو پھر یہ مانیں کہ یہ خدا کی اتاری ہوئی چیز ہے اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ ان لوگوں کو اگر یہ گھمنڈ ہے کہ دنیاوی اعتبار سے تمہارے اور تمہارے ساتھیوں کے مقابل میں ان کا حال بہتر ہے تو انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ دنیا کے طالبین کو اللہ سب کچھ اسی دنیا میں پورا کر دیتا ہے، آخرت میں ان کے لیے دوزخ کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔

(۱۷-۲۴) قرآن کی دعوت کو قبول کرنے والوں اور اس سے اعراض کرنے والوں کے ذہنی فرق و اختلاف کی وضاحت۔ ایمان صرف وہ لوگ لائیں گے جن کی فطرت مسخ ہونے سے محفوظ ہو۔ وہ قرآن کی آواز کو اپنے دل کی آواز سمجھیں گے۔ اس سے پہلے موسیٰ کو جو کتاب دی گئی وہ بھی ان کے لیے ایک تائید مزید فراہم کرے گی۔ رہے وہ لوگ جن کی اپنی فطرت کا نور بجھ چکا ہو وہ دوزخ کی آگ ہی دیکھ کر قائل ہوں گے تو ان کی مخالفت تمھیں اپنے موقف کے بارے میں کسی تردد میں نہ ڈال دے۔ ان لوگوں سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے جنھوں نے خدا پر جھوٹ باندھا ہے اور اس جھوٹ کے ذریعہ سے لوگوں کو اللہ کے راستے

سے روک رہے ہیں۔ یہ خدا کے قابو سے باہر نہیں ہیں۔ لیکن خدا اس لیے انھیں ڈھیل دے رہا ہے کہ آخرت میں ساری کسر پوری ہو جائے گی۔ فلاح صرف ان لوگوں کو حاصل ہو گی جنھوں نے اپنے آپ کو بالکلیہ اپنے رب کے حوالے کر دیا اور ایمان و عمل صالح کی زندگی اختیار کی۔ ان دونوں گروہوں کی تمثیل ایسی ہے کہ ایک گروہ اندھوں بہروں کا ہو اور دوسرا چشم و گوش رکھنے والوں کا۔ کیا یہ دونوں یکساں ہوں گے؟

(۲۵-۴۹) حضرت نوحؑ اور ان کی قوم کی سرگزشت جس میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھایا گیا ہے کہ جس بشارت و انذار کے ساتھ تم اپنی قوم کے پاس آئے ہو بعینہٖ اسی انذار و بشارت کے ساتھ اللہ نے نوحؑ کو ان کی قوم کے پاس بھیجا تھا۔ ان کی قوم کے سرغنوں نے بھی بعینہٖ اسی طرح کی باتیں بنائیں جس طرح کی باتیں تمھاری قوم کے لوگ بنا رہے ہیں۔ بالآخر ان پر اللہ کا عذاب آیا اور وہ غرق کر دیے گئے۔ آخر میں اس کا خلاصہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ان لفظوں میں رکھا گیا ہے۔ فَاصْبِرْ إِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِينَ (پس جمے رہو، انجام کار کی کامیابی خدا سے ڈرنے والوں ہی کے لیے ہے) یعنی اگر تمھاری قوم کے لوگ بھی سرکشی سے باز نہ آئے تو اسی طرح کا روزِ بد یہ بھی دیکھیں گے۔ خدا تم کو اور تمھارے ساتھیوں کو بہرحال سرخرو کرے گا، اگر تم تمام مخالفتوں کے علی الرغم اپنی دعوت میں ثابت قدم رہے۔

(۵۰-۶۰) قوم عاد کی سرگزشت۔ انھوں نے بھی اپنے پیغمبر ہودؑ کے ساتھ اسی قسم کی روش اختیار کی جس قسم کی روش قوم نوحؑ نے نوحؑ کے ساتھ اور قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اختیار کی۔ بالآخر یہ بھی اپنے کیفرِ کردار کو پہنچے اور ہود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے سرخرو کیا۔ اس سرگزشت کے سنانے سے بھی مقصود قریش کو تاریخ کے آئینہ میں ان کا انجام دکھا دینا اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا ہے۔

(۶۱-۶۸) قوم ثمود اور حضرت صالحؑ کی سرگزشت جس سے بعینہٖ وہی حقیقت واضح ہوتی ہے جو اوپر کی سرگزشتوں سے واضح ہوتی ہے۔

(۶۹-۸۳) قوم لوطؑ کی سرگزشت اسی مضمون کی تائید کے لیے جو اوپر سے چلا آ رہا ہے۔ اس سے ضمناً یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ قریش جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرشتے اتارنے کا مطالبہ کر رہے ہیں یہ اپنی شامت بلانے کا سامان کر رہے ہیں۔ فرشتوں کا آنا کوئی معمولی واقعہ نہیں ہوتا، یہ جب آتے ہیں تو کسی عظیم خدائی مہم پر آتے ہیں۔ ان کی اہمیت کا یہ حال ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ جیسے عظیم پیغمبر نے جب یہ محسوس کیا کہ ان کے پاس فرشتے آئے ہیں تو ان کا دم خشک ہو گیا اور اس وقت تک انھوں نے اطمینان کا سانس نہیں لیا جب تک ان کی پیش نظر مہم کی نوعیت ان کے سامنے واضح نہیں ہو گئی۔

(۸۴-۹۵) اہل مدین اور حضرت شعیبؑ کی سرگزشت۔

(۹۶-۹۹) حضرت موسیٰؑ اور فرعون کی سرگزشت کی طرف سرسری اشارہ۔ چونکہ حضرت موسیٰؑ کی سرگزشت پچھلی سورہ میں تفصیل سے گزر چکی تھی اس وجہ سے اس سورہ میں اس کی طرف صرف اشارہ فرما دیا۔

(۱۰۰-۱۲۳) خاتمۂ سورہ جس میں ان سرگزشتوں کو سنانے سے جو مقصد ہے اس کو واضح فرمایا ہے۔ پھر ان سے جو نتائج و حقائق نکلتے ہیں ان کی روشنی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو ضروری ہدایات دی ہیں۔ قریش کو اپنے ملک کی تاریخ سے سبق لینے ورنہ نتائج بھگتنے کے لیے تیار رہنے کے لیے تنبیہ فرمائی ہے۔

مضامین سورہ کے اس تجزیہ پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے بھی اندازہ ہو جائے گا کہ پوری سورہ ایک معین مقصد پر نہایت جامع اور مربوط خطبہ ہے۔ اب ہم اللہ کا نام لے کر، اپنے طریقہ کے مطابق، سورہ کی تفسیر شروع کرتے ہیں۔ وما توفیقی الا باللہ۔

سُوْرَةُ هُوْدٍ (١١)

مَكِّيَّةٌ ——— اٰيَاتُهَا ١٢٣

آیات ١-٢٤

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۙ﴿١﴾
اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ ۙ﴿٢﴾ وَّاَنِ
اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا
اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ۭ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّيْٓ
اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ ﴿٣﴾ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ ۚ وَهُوَ عَلٰي
كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٤﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ۭ
اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ ۙ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۚ
اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿٥﴾ وَمَا مِنْ دَاۗبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا
عَلَي اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۭ كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ
مُّبِيْنٍ ﴿٦﴾ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ
وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَي الْمَاۗءِ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ وَلَىِٕنْ قُلْتَ
اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ

إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ ﴿٧﴾ وَلَئِنْ أَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ إِلَىٰ أُمَّةٍ مَّعْدُودَةٍ
لَّيَقُولُنَّ مَا يَحْبِسُهُ أَلَا يَوْمَ يَأْتِيهِمْ لَيْسَ مَصْرُوفًا عَنْهُمْ
وَحَاقَ بِهِم مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿٨﴾ وَلَئِنْ أَذَقْنَا
الْإِنسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنَاهَا مِنْهُ إِنَّهُ لَيَئُوسٌ كَفُورٌ ﴿٩﴾
وَلَئِنْ أَذَقْنَاهُ نَعْمَاءَ بَعْدَ ضَرَّاءَ مَسَّتْهُ لَيَقُولَنَّ ذَهَبَ السَّيِّئَاتُ
عَنِّي إِنَّهُ لَفَرِحٌ فَخُورٌ ﴿١٠﴾ إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
أُولَٰئِكَ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ﴿١١﴾ فَلَعَلَّكَ تَارِكٌ بَعْضَ مَا يُوحَىٰ
إِلَيْكَ وَضَائِقٌ بِهِ صَدْرُكَ أَن يَقُولُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ كَنزٌ
أَوْ جَاءَ مَعَهُ مَلَكٌ إِنَّمَا أَنتَ نَذِيرٌ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ ﴿١٢﴾
أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهِ مُفْتَرَيَاتٍ وَادْعُوا
مَنِ اسْتَطَعْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿١٣﴾ فَإِلَّمْ
يَسْتَجِيبُوا لَكُمْ فَاعْلَمُوا أَنَّمَا أُنزِلَ بِعِلْمِ اللَّهِ وَأَن لَّا إِلَٰهَ إِلَّا
هُوَ فَهَلْ أَنتُم مُّسْلِمُونَ ﴿١٤﴾ مَن كَانَ يُرِيدُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا
نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيهَا وَهُمْ فِيهَا لَا يُبْخَسُونَ ﴿١٥﴾ أُولَٰئِكَ
الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا فِيهَا وَ
بَاطِلٌ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٦﴾ أَفَمَن كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّهِ وَيَتْلُوهُ
شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِن قَبْلِهِ كِتَابُ مُوسَىٰ إِمَامًا وَرَحْمَةً أُولَٰئِكَ
يُؤْمِنُونَ بِهِ وَمَن يَكْفُرْ بِهِ مِنَ الْأَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهُ فَلَا تَكُ

ع ۱

فِیْ مِرْیَةٍ مِّنْهُ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اُولٰٓئِكَ یُعْرَضُوْنَ عَلٰی رَبِّهِمْ وَیَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِیْنَ كَذَبُوْا عَلٰی رَبِّهِمْ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَی الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۸﴾ الَّذِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَیَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ اُولٰٓئِكَ لَمْ یَكُوْنُوْا مُعْجِزِیْنَ فِی الْاَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِیَآءَ یُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ مَا كَانُوْا یَسْتَطِیْعُوْنَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوْا یُبْصِرُوْنَ ﴿۲۰﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ﴿۲۱﴾ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ﴿۲۲﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَخْبَتُوْٓا اِلٰی رَبِّهِمْ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۳﴾ مَثَلُ الْفَرِیْقَیْنِ كَالْاَعْمٰی وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِیْرِ وَالسَّمِیْعِ هَلْ یَسْتَوِیٰنِ مَثَلًا اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾

وقف لازم

ع ۲

ترجمہ آیات ۱ - ۲۴

یہ الٓر ہے۔ یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں پہلے محکم کی گئیں پھر خدائے حکیم و خبیر کی طرف سے ان کی تفصیل کی گئی کہ تم اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی نہ کرو۔ میں تمہارے لیے اس کی طرف سے ہوشیار کرنے والا اور خوش خبری دینے والا ہوں، اور یہ کہ تم اپنے رب سے مغفرت چاہو، پھر اس کی طرف رجوع کرو وہ تم کو ایک وقت معین تک اچھی طرح بہرہ مند کرے گا اور ہر مستحق فضل کو اپنے فضل سے نوازے گا۔ اور اگر تم منہ موڑو گے تو میں تم پر ایک

ہولناک دن کے عذاب کا اندیشہ رکھتا ہوں۔ اللہ ہی کی طرف تم سب کا پلٹنا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ۱-۴

ذرا دیکھو، یہ اپنے سینے موڑتے ہیں کہ اس سے چھپ جائیں۔ آگاہ ہو، یہ اس وقت بھی اس کی نظر میں ہوتے ہیں جب اپنے اوپر کپڑے لپیٹتے ہیں۔ وہ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں۔ وہ تو سینوں کے بھیدوں سے بھی اچھی طرح باخبر ہے۔ اور زمین کے ہر جاندار کا رزق اللہ ہی کے ذمہ ہے۔ اور وہ جانتا ہے اس کے مستقر اور مدفن کو۔ ہر چیز ایک واضح رجسٹر میں درج ہے۔ ۵-۶

اور وہی ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں اور اس کا عرش پانی پر تھا تاکہ تمھیں جانچے کہ کون اچھے عمل والا ہے اور اگر تم کہتے ہو کہ مرنے کے بعد تم لوگ اٹھائے جاؤ گے تو یہ کافر کہتے ہیں کہ یہ تو بس کھلا ہوا جادو ہے اور اگر ہم ان سے عذاب کو کچھ مدت کے لیے ٹالے دیتے ہیں تو پوچھتے ہیں کہ اس کو کیا چیز روکے ہوئے ہے! آگاہ کہ جس دن وہ ان پر آ دھمکے گا تو ان سے ٹالا نہ جا سکے گا اور جس چیز کا وہ مذاق اڑا رہے ہیں وہ ان کو آگھیرے گی۔ اور اگر ہم انسان کو اپنے کسی فضل سے نوازتے ہیں پھر اس سے اس کو محروم کر دیتے ہیں تو وہ مایوس اور ناشکرا بن جاتا ہے اور اگر کسی تکلیف کے بعد، جو اس کو پہنچی اس کو نعمت سے نوازتے ہیں تو کہتا ہے میری مصیبتیں دفع ہوئیں اور وہ اکڑنے والا اور شیخی بگھارنے والا بن جاتا ہے۔ صرف، وہ اس سے مستثنیٰ ہیں جو صبر کرنے والے اور نیک عمل کرنے والے ہیں۔ انہی کے لیے مغفرت اور بڑا اجر ہے۔ ۷-۱۱

شاید اس چیز کا کچھ حصّہ تم چھوڑ دینے والے ہو جو تم پر وحی کی جا رہی ہے اور اس سے تمھارا

سینہ بھنچ رہا ہے کہ وہ کہیں گے کہ اس پر کوئی خزانہ کیوں نہیں آتارا گیا یا اس کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں آیا۔ تو تم بس ایک ہوشیار کر دینے والے ہو اور ہر چیز اللہ کے حوالے ہے۔ کیا یہ کہتے ہیں کہ اس نے اس کو گھڑ لیا ہے؟ ان سے کہو کہ پھر تم ایسی ہی دس سورتیں گھڑی ہوئی لاؤ اور اللہ کے سوا جن کو تم بلا سکو ان کو بھی بلا لو اگر تم سچے ہو۔ پس اگر وہ تمھاری مدد کو نہ پہنچیں تم سمجھ لو کہ یہ اللہ ہی کے علم سے اترا ہے اور یہ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے تو کیا اب تم مانتے ہو؟ ۱۲-۱۴

جو دنیا کی زندگی اور اس کے سروسامان کے طالب ہوتے ہیں ہم ان کے اعمال کا بدلہ یہیں چکا دیتے ہیں اور اس میں ان کے ساتھ کوئی کمی نہیں کی جاتی۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں آگ کے سوا کچھ بھی نہیں ہے اور جو کچھ انھوں نے کیا کرایا ہے سب حبط ہو جائے گا اور باطل ہے جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں۔ ۱۵-۱۶

کیا وہ جو اپنے رب کی طرف سے ایک برہان پر ہے، پھر اس کے بعد اس کی طرف سے ایک گواہ بھی آجاتا ہے اور اس کے پہلے سے موسیٰ کی کتاب رہنما اور رحمت کی حیثیت سے موجود ہے اور وہ جو نور بصیرت سے محروم ہیں، دونوں یکساں ہو جائیں گے؟ اس پر ایمان تو وہی لوگ لائیں گے اور جماعتوں میں سے جو اس کا انکار کریں گے ان کا موعود ٹھکانا بس دوزخ ہے پس تم اس کے باب میں کسی شک میں نہ پڑو، یہی تمھارے رب کی طرف سے حق ہے لیکن اکثر لوگ اس کو نہیں مانتے اور ان سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ گھڑیں۔ ان لوگوں کی پیشی ان کے رب کے سامنے ہوگی اور گواہ گواہی دیں گے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے رب پر جھوٹ لولے ہیں۔ آگاہ کہ اللہ کی لعنت ہے ان ظالموں پر جو اللہ کی راہ سے روکتے اور اس میں کجی پیدا کرنا چاہتے

ہیں اور آخرت کے یہی لوگ منکر ہیں۔ یہ زمین میں خدا کے قابو سے باہر نہیں اور نہ اللہ کے سوا ان کا کوئی مددگار ہے، ان پر دونا عذاب ہوگا۔ یہ نہ سن سکتے تھے اور نہ دیکھتے ہی تھے۔ یہی لوگ ہیں جنھوں نے اپنے آپ کو گھاٹے میں ڈالا اور جو انھوں نے گھڑ رکھے تھے سب ہوا ہو جائیں گے۔ لازماً یہی لوگ ہیں جو آخرت میں خسارے میں ہوں گے۔ باقی رہے وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کیے اور جو اپنے رب کی طرف جھک پڑے تو وہی لوگ جنت والے ہیں، وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے۔ دونوں فریقوں کی تمثیل ایسی ہے کہ ایک اندھا اور بہرا ہو اور ایک دیکھنے والا اور سننے والا۔ کیا دونوں کا حال ایک جیسا ہو جائے گا؟ کیا تم لوگ دھیان نہیں کرتے۔ ۱۷-۲۴

۱- الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۙ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ ۙ وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ۭ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ ۝ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ ۚ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (۱-۴)

آیاتِ قرآن میں اجمال اور تفصیل

'الٓرٰ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ...... الاٰیۃ' 'الٓرٰ' اس سورہ کا قرآنی نام ہے۔ یہی نام پچھلی سورہ کا بھی ہے اور یہ اس بات کا قرینہ ہے کہ عمود و مضمون کے اعتبار سے دونوں سورتیں باہم ملتی جلتی ہیں چنانچہ آگے آپ دیکھیں گے کہ ان دونوں میں فرق صرف اجمال و تفصیل کا ہے۔ پچھلی سورہ میں جو پہلو مجمل رہ گئے تھے وہ اس میں وضاحت سے سامنے آگئے ہیں۔ یہ فرق یوں تو ہر پہلو میں نمایاں ہے لیکن خاص طور پر واقعات کے بیان میں یہ فرق بہت زیادہ نظر آئے گا۔ اجمال کے بعد تفصیل کا یہ طریقہ، جو قرآن نے اختیار کیا ہے، یہ صرف تنوع کی خاطر نہیں اختیار کیا ہے بلکہ تعلیم و تربیت اور تبلیغ و دعوت کے نقطۂ نظر سے یہی طریقہ مفید اور بابرکت ہے۔

'احکام' کا مفہوم

اِحکام کے معنی کسی چیز کو اچھی طرح گانٹھنے اور مضبوط کرنے کے ہیں۔ کپڑا خوب ٹھونک کر گف بنا جائے تو یہ لفظ اس کے لیے بھی آئے گا۔ قرآنی آیات کے لیے اس لفظ کے استعمال سے مقصود اس حقیقت کو ظاہر کرنا ہے کہ قرآن کی تعلیمات پہلے گٹھے ہوئے، مختصر اور جامع جملوں کی شکل میں نازل ہوئیں، پھر بالتدریج وہ

واضح اور مفصل ہوتی گئیں۔ چنانچہ مکہ کے ابتدائی دور میں جو سورتیں نازل ہوئیں وہ اختصار، جامعیت اور اعجاز بیان کا کامل نمونہ ہیں۔ دین کی بنیادی باتیں مختصر گٹھے ہوئے جملوں میں دریا بکوزہ کی مثال ہیں۔ بعد میں آہستہ آہستہ ان پر تفصیل کا رنگ آیا یہاں تک کہ مدنی دور میں آکر دین کی وہی بنیادی باتیں ایک جامع اور ہمہ گیر نظام زندگی کی شکل میں نمایاں ہوگئیں۔ اس چیز کا حوالہ دینے سے مقصود اس اہتمام خاص کی طرف لوگوں کو متوجہ کرنا ہے جو ان کی تعلیم و تربیت کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس کتاب میں ملحوظ رکھا ہے۔ یہ بات یہاں یاد رکھنے کی ہے کہ تورات کے معاملے میں ترتیب و تدریج اور احکام و تفصیل کا یہ اہتمام نہیں ہوا بلکہ اس کا بیشتر حصہ یک دفعہ نازل ہوگیا۔ آخر میں حکیم و خبیر کی صفات کا حوالہ ہے اس لیے کہ خدائے حکیم ہی جان سکتا تھا کہ وہ حکمت کے خزانوں کو کس طرح مختصر لفظوں میں بند کرے اور پھر خدائے خبیر ہی کی یہ شان تھی کہ وہ کھول کر دکھائے کہ ایک کوزے میں کتنے دریا اور کتنے سمندر بند ہیں۔

قرآن کا بنیادی پیغام

اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ...... الآیۃ۔ یہ اس کتاب کا بنیادی پیغام ہے کہ اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی نہ کرو۔ یہی پیغام تمام دین و شریعت کی اصل ہے۔ اللہ کے رسول ہمیشہ اسی پیغام کے ساتھ بشیر و نذیر بن کر آئے۔ انھوں نے اس پیغام کے قبول کر لینے والوں کو اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت کی بشارت دی اور جو لوگ اس سے اعراض کریں ان کو ایک ہولناک عذاب سے ڈرایا۔ چنانچہ انذار و بشارت کا یہی فریضہ اب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد ہوا تھا۔

بشارت

وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ، یہ بشارت کا پہلو مذکور ہوا ہے کہ اپنے رب سے مغفرت مانگو اور اس کی طرف رجوع کرو تو اللہ تعالیٰ ایک مدت معینہ تک اس دنیا میں تم کو اپنی نعمتوں سے بہرہ مند کرے گا اور ہر مستحق فضل کو خاص اپنے فضل سے نوازے گا۔

انذار

وَاِنْ تَوَلَّوْا ...... الآیۃ۔ یہ انذار کا پہلو بیان ہوا ہے کہ اگر اس دعوت سے منہ موڑو گے تو ایک ہولناک دن کے عذاب سے دوچار ہونے کے لیے تیار رہو۔ اس عذاب سے وہ عذاب مراد ہے جو رسول کی تکذیب کرنے والوں پر لازماً آتا ہے۔ رسول کے مان لینے والوں کو زندگی کی مہلت ملتی ہے اور کامیابی نصیب ہوتی ہے جو اس وقت تک باقی رہتی ہے جب تک لوگ صحیح راستہ پر استوار رہتے ہیں لیکن رسول کے مکذبین اتمام حجت کی مہلت گزر جانے پر کسی ہولناک عذاب کے ذریعے سے یک قلم ختم کر دیے جاتے ہیں۔

توبہ کے دو رکن

اس آیت سے توبہ کے متعلق بھی یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اس کے دو اہم رکن ہیں۔ ایک استغفار دوسرا توبہ۔ استغفار تو یہ ہے کہ آدمی اپنے جرم کی اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے اور اس سے آئندہ باز رہنے کا عہد کرے اور توبہ یہ ہے کہ اللہ کی طرف رجوع کرے اور اس صحیح راہ کو اختیار کرے جس کی طرف اللہ نے رہنمائی فرمائی ہے۔ اگر آدمی جرم سے باز نہ آئے اور صحیح روش اختیار نہ کرے تو زبان سے لاکھ توبہ توبہ کرے اس کی توبہ محض مذاق ہے۔

اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ . . . الاٰیۃ۔ اوپر مکذبین رسول کے لیے جس عذاب کا ذکر ہے اس کا تعلق اس دنیا سے ہے۔ اب یہ آخرت کے عذاب سے ڈرایا گیا ہے کہ اس کے بعد تمھاری واپسی خدا کی طرف ہونی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ 'وہ ہر چیز پر قادر ہے' کے ابہام کے اندر جو تخویف ہے وہ کسی تصریح کے اندر نہیں سما سکتی۔

اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ۭ اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ ۙ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (۵)

متکبرین کے تکبر کی تصویر

'ثنی' کے معنی پھیرنے، موڑنے اور لپیٹنے کے ہیں۔ قاعدہ ہے کہ آدمی جب کسی بات کو غرور اور نفرت کے سبب سے سننا نہیں چاہتا تو مونڈھے جھٹک کر اور سینہ موڑ کر وہاں سے چل دیتا ہے۔ اسی حالت کو سورۂ حج آیت ۹ میں 'ثانی عطفہ' سے تعبیر فرمایا ہے اور یہاں 'یَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ' سے۔ اسی چیز کی ایک شکل یہ بھی ہوتی ہے کہ آدمی اپنی چادر سنبھالتا اور اپنے اوپر لپیٹتا اور چل دیتا ہے اس کو 'استغشائے ثیاب' سے تعبیر فرمایا ہے۔ مثلاً سورہ نوح آیت ۷ میں ہے 'وَاِنِّيْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْٓا اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَاَصَرُّوْا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا' (اور میں نے جب جب ان کو دعوت دی کہ تو ان کی مغفرت فرمائے انھوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں اور اپنی چادریں لپیٹ لیں اور ضد کی اور نہایت گھمنڈ کیا)۔

اب اس آیت میں تصویر ہے اس رویے کی جو پیغمبر کے انذار کے جواب میں متکبرین قریش اختیار کرتے تھے کہ غرور سے سینہ موڑ کے وہاں سے چل دیتے اور اس طرح اپنے زعم میں گویا خدا اور اس کے انذار سے اپنے آپ کو محفوظ کر لیتے۔ انسان کی حماقتوں میں سے ایک حماقت یہ بھی ہے کہ وہ ایک حقیقت کا مواجہہ کرنے سے گریز کرتا ہے اور سمجھ بیٹھتا ہے کہ اب وہ حقیقت حقیقت نہیں رہی۔ حالانکہ کسی کے گریز کرنے سے حقیقت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ شتر مرغ طوفان کا احساس کر کے اپنا سر ریت میں چھپا لیا کرتا ہے تو اس سے طوفان کا رخ تبدیل نہیں ہو جاتا۔ اسی طرح اگر خدا انذار فرما رہا ہے تو اس سے چھپنے کی یہ تدبیر بالکل ہی احمقانہ ہے کہ اس کو سننے سے گریز کیا جائے۔ آخر خدا سے آدمی کہاں چھپ سکتا ہے، وہ تو اس وقت بھی لوگوں کو دیکھتا ہے جب لوگ اپنے اوپر اپنی چادریں لپیٹتے ہیں۔ وہ تو ظاہر سے بھی واقف ہوتا ہے اور پوشیدہ سے بھی اور سینوں کے تمام اسرار سے بھی۔

وَمَا مِنْ دَاۗبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَي اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۭ كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ (۶)

خدا کا علم ہر چیز کو محیط ہے

'مُسْتَقَر' اور 'مُسْتَوْدَع'، پر انعام آیت ۹۸ کے تحت بحث گزر چکی ہے۔ 'مُسْتَقَر' سے مراد وہ ٹھکانا ہے جہاں انسان زندگی کے دن گزارتا ہے اور 'مُسْتَوْدَع' سے مراد وہ جگہ ہے جہاں وہ مرنے کے بعد زمین کے سپرد کیا جاتا ہے۔ اس آیت میں اسی مضمون کی مزید وضاحت ہے جو اوپر والی آیت میں گزر کر

خدا کا علم ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ کوئی اس سے بھاگ یا چھپ نہیں سکتا۔ فرمایا کہ وہ خدا ہی ہے جس کے ہاتھوں ہر جاندار کو روزی مل رہی ہے۔ مطلب یہ کہ جو ہر جاندار کو، وہ جہاں بھی ہو، پہاڑوں کی چوٹیوں پر یا سمندروں کی تہوں میں، گھنے جنگلوں میں یا آباد شہروں میں، اس کا مقدر رزق پہنچا رہا ہے کیا اس سے کوئی چیز مخفی ہو سکتی ہے؟ پھر اس میں خدا سے چھپنے کی کوشش کرنے والوں کے لیے ایک مخفی ملامت بھی ہے کہ حیف ہے ان لوگوں پر جو اس کی بات سننے سے گریز کر رہے ہیں جس کے بخشے ہوئے رزق پر پل رہے ہیں۔

يَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا وہ ہر ایک کے مستقر کو بھی جانتا ہے اور اس کے مدفن کو بھی جانتا ہے جہاں وہ مرنے کے بعد زمین کی امانت میں دیا جاتا ہے۔ مدفن کے لیے 'مُسْتَوْدَع' کا لفظ استعمال کرنے میں یہ بلیغ تذکیر ہے کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ جب وہ مر گیا تو بس فنا ہو گیا۔ وہ فنا نہیں ہو جاتا بلکہ وہ زمین کی امانت میں دے دیا جاتا ہے اور ایک دن آئے گا جب زمین یہ امانت اپنے رب کے حوالے کرے گی۔ كُلٌّ فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ، ہر چیز ایک واضح رجسٹر میں درج ہے، نہ کوئی چیز درج ہونے سے رہ گئی اور نہ کسی چیز کی تلاش کے لیے کوئی زحمت اٹھانی ہے۔

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِي سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَلَئِنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ (۷)

جزا اور سزا کی دلیل

یہ اس جزا و سزا کا بیان ہے جس سے ان کو ڈرایا جاتا تھا لیکن وہ اس کو تسلیم کر کے اس کے لیے تیاری کرنے کی بجائے اس کا مذاق اڑاتے تھے۔ فرمایا کہ وہی خدا جس کے رزق پر سب پل رہے ہیں وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا اور اس سے پہلے اس کی حکومت پانی پر تھی۔ ہم دوسرے مقام میں واضح کر چکے ہیں کہ چھ دنوں سے یہ ہمارے دن مراد نہیں ہیں بلکہ خدائی دن مراد ہیں جن میں سے ہر دن ہمارے ہزاروں سال کے برابر ہوتا ہے۔ ہم ان کو ادوار سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ یہ دنیا کا چھ ادوار میں درجہ بدرجہ ظہور میں آنا اور اپنے نقطۂ کمال کو پہنچنا اس حقیقت کو ظاہر کرتا ہے کہ اس کا ظہور کوئی اتفاقی حادثہ نہیں ہے بلکہ اس کے خالق نے ارادہ، اسکیم، ترتیب اور حکمت کے ساتھ اس کو وجود بخشا ہے۔ یہ ارادہ، اسکیم اور ترتیب و حکمت اس بات کی شہادت ہے کہ یہ کوئی بے غایت و بے مقصد کارخانہ نہیں ہے بلکہ اس کے پیچھے ایک عظیم غایت ہے جس کا ظہور میں آنا لازمی ہے۔

وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ 'عرش' خدا کی حکومت کی تعبیر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس کرۂ ارض کی خشکی نمودار ہونے سے پہلے پہلے یہ سارا کرہ مائی تھا اور اللہ کی حکومت اس پر تھی۔ پھر پانی سے خشکی نمودار ہوئی اور زندگی کی مختلف النوع انواع ظہور میں آئیں اور درجہ بدرجہ یہ پورا عالم ہستی آباد ہوا۔ یہی بات تورات میں بھی بیان ہوئی ہے اگرچہ اس کے مترجموں نے مطلب خبط کر دیا ہے۔ کتاب پیدائش کی پہلی ہی آیت میں یہ الفاظ ہیں "اور گہراؤ کے اوپر اندھیرا اور خدا کی روح پانی کی سطح پر جنبش کرتی تھی۔"

لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا - یعنی یہ سارا اہتمام و انتظام صاف اس بات کی شہادت دے رہا ہے کہ یہ دنیا کوئی بازیچۂ اطفال یا کسی کھلنڈرے کا کھیل تماشا نہیں ہے کہ یوں ہی پیدا ہوئی، یوں ہی تمام ہو جائے۔ انسان جو اس میں گل سرسبد کی حیثیت رکھتا ہے اور جس کے لیے ہی معلوم ہوتا ہے کہ ساری چیزیں پیدا کی گئی ہیں کوئی شتر بے مہار نہیں چھوڑا گیا کہ کھائے پیے، عیش کرے اور ایک دن ختم ہو جائے۔ اگر ایسا ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس دنیا کے خالق نے ایک عبث کام کیا درآنحالیکہ اس دنیا کے ایک ایک ذرہ سے اس کی قدرت، حکمت اور رحمت کی ایسی شہادتیں مل رہی ہیں کہ ان کی موجودگی میں اس کی طرف کسی کارِ عبث کی نسبت بالکل خلاف عقل ہے۔ اگر اس کی طرف اس طرح کی کوئی نسبت خلاف عقل ہے تو یہ ماننا پڑے گا کہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ انسان کو ارادے کی آزادی اور خیر و شر کا امتیاز دے کر یہ امتحان کر رہا ہے کہ وہ اپنے اختیار سے خیر کی راہ اختیار کرتا ہے یا شر کی اور لازماً وہ اس کے لیے ایک دن اپنے رب کے آگے مسئول اور جواب دہ ہوگا اور اپنے عمل کے مطابق جزا یا سزا بھگتے گا۔ یاد ہوگا، عالم کے چھ دن میں پیدا کیے جانے کا ذکر سورۂ یونس میں بھی ہوا ہے۔ یہاں اس پر 'لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا' کا اضافہ ہے جس سے وہ حقیقت واضح ہوتی ہے جو اس اہتمام سے اس عالم کے پیدا کیے جانے میں مضمر ہے۔

وَلَئِنْ قُلْتَ اِنَّکُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ...... الآیۃ۔ یعنی یہ بات تو بالکل بدیہی اور نہایت واضح معلوم ہوتی ہے لیکن اگر یہی بات تم ان لوگوں کو سمجھاتے ہو کہ مرنے کے بعد تم حساب کتاب اور جزا و سزا کے لیے اٹھائے جاؤ گے تو یہ تمہاری تقریر کے زور اور تمہارے حسن بیان کو صداقت کی دل نشینی قرار دینے کے بجائے الفاظ و بیان کی جادوگری قرار دیتے ہیں تاکہ یہ اپنے عوام کو دھوکا دے سکیں کہ وہ قرآن اور پیغمبر کی باتوں سے متاثر نہ ہوں۔

وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰٓى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّيَقُوْلُنَّ مَا يَحْبِسُهٗ ۭ اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ لَيْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ ۝ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَاۗءَ بَعْدَ ضَرَّاۗءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ۭ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۭ اُولٰۗئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝ ۸-۱۱

لفظ امۃ کا مفہوم

وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰٓى اُمَّةٍ ...... الآیۃ۔ لفظ 'امت' یہاں ٹھیک اپنے لغوی مفہوم یعنی مدت کے معنی میں ہے جس طرح سورۂ یوسف میں ہے 'وَقَالَ الَّذِيْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ - ۴۵' (اور کہا اس نے جس نے ان دونوں میں سے رہائی پائی تھی اور ایک مدت کے بعد اس نے یاد کیا)۔

کفار کے استہزاء کا جواب

اوپر کی آیت میں ان کے اس مذاق کا ذکر ہے جو مرنے کے بعد اٹھائے جانے کی خبر کا وہ اڑا رہے تھے۔ اس آیت میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ یہی مذاق کی روش ان کی اس عذاب کے بارے میں بھی ہے جس سے اس دنیا میں ان کو لازماً دوچار ہونا ہے اگر انھوں نے رسول کی تکذیب کر دی۔ فرمایا کہ جس عذاب کی ان کو خبر

دی جا رہی ہے اگر کچھ مدت کے لیے ہم اس کو ٹال رہے ہیں تو یہ ہماری عنایت ہے کہ ہم ان کو توبہ و اصلاح کی مہلت دے رہے ہیں لیکن یہ اپنی بدبختی سے اس مہلت سے فائدہ اٹھانے کے بجائے یہ سمجھتے ہیں کہ یہ محض ایک دھونس ہے اور پیغمبر کا مذاق اڑاتے ہیں کہ عذاب آنے والا ہے تو آ کیوں نہیں جاتا، کس چیز نے اس کو باندھ رکھا ہے۔ فرمایا کہ ان کی اس جسارت اور بدبختی پر افسوس ہے۔ جس دن وہ عذاب ظاہر ہو گا، کسی کی یہ طاقت نہ ہو گی کہ وہ اس کو ان سے ہٹا سکے، نہ یہ خود اس کے رخ کو موڑ سکیں گے اور نہ ان کے شرکا و شفعاء اس وقت ان کی کچھ مدد کر سکیں گے، وہ عذاب ان کو اپنے گرداب میں لے لے گا جس کو یہ دل لگی سمجھتے اور جس کا مذاق اڑا رہے ہیں۔

ایک خاص اسلوب کلام

وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ ...... اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ۔ یہاں لفظ انسان اگرچہ عام ہے لیکن اس سے مراد وہی لوگ ہیں جن کا ذکر اوپر سے آ رہا ہے۔ ضدی اور جھگڑالو مخاطب سے جب منہ پھیر لینا مقصود ہوتا ہے تو بسا اوقات یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے کہ اس کو خطاب کر کے یا اس کی طرف اشارہ کر کے بات کہنے کے بجائے ایک کلیہ کے اسلوب میں بات کہہ دی جاتی ہے جس سے اعراض کا مقصد بھی پورا ہو جاتا ہے اور بات بھی ایک کلیہ کا جامہ اختیار کر لینے کی وجہ سے زیادہ مؤثر اور جاندار ہو جاتی ہے۔ یہی اسلوب تقریر یہاں اختیار کیا گیا ہے اور اس کی نہایت بلیغ مثالیں آگے آئیں گی۔ اس اسلوب کے فوائد پر ان شاء اللہ ہم کسی موزوں مقام پر بحث کریں گے۔

پیغمبر کو صبر کی تلقین

مطلب یہ ہے کہ اس وقت اللہ نے ان کو جو اپنے رزق و فضل سے نواز رکھا ہے تو یہ اس کے شکر گزار ہونے کے بجائے بدمستی میں اس کی تذکیر و تنبیہ کا مذاق اڑا رہے ہیں۔ ان کو عذاب سے ڈرایا جاتا ہے تو ڈرنے کے بجائے ڈھیٹ ہو کر عذاب کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ ان کی اس حالت پر صبر کرو اور ان کو نظر انداز کرو۔ عام طور پر لوگوں کا حال یہی ہوتا ہے کہ جب اللہ ان کو اپنے فضل سے نوازتا ہے تو وہ اس کے شکر گزار ہونے کے بجائے اکڑتے اور روندناتے ہیں اور جب ذرا خدا کی گرفت میں آ جاتے ہیں تو فوراً دل شکستہ اور مایوس ہو جاتے ہیں۔ آج ان کے طنطنہ اور غرہ کا یہ حال ہے کہ اپنے آگے کسی کو خاطر ہی میں نہیں لا رہے ہیں، لیکن اس طنطنہ کی کوئی بنیاد نہیں ہے، قدرت ذرا سا جھنجھوڑ دے تو دیکھو کیسے بلبلا اٹھتے ہیں۔

خدا کے پسندیدہ بندوں کی روش

اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ..... الایۃ یہ ان لوگوں کا بیان ہے جو مذکورہ عام کلیہ سے مستثنیٰ ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو کسی آزمائش اور مصیبت میں گرفتار ہوتے ہیں تو اللہ سے مایوس و دل شکستہ ہونے کے بجائے اس کی رحمت کی امید پر صابر و مطمئن رہتے ہیں اور جب اس کے فضل و نعمت سے نوازے جاتے ہیں تو اکڑنے اور مغرور ہونے کے بجائے اس کے شکر گزار ہوتے اور نیک عمل کرتے ہیں۔ مصیبت ان کی صبر کی صفت کو مستحکم کرتی ہے اور نعمت ان کے لیے شکر اور اعمال صالحہ کی راہیں کھولتی ہے۔ یہی لوگ انسانیت کے گل سرسبد ہیں اور ان کے لیے اللہ کے ہاں مغفرت اور اجر عظیم ہے۔ رہے وہ لوگ جنھوں نے مصائب سے مایوسی کا

اور نعمتوں سے غرور و تکبر کا اندوختہ فراہم کیا ہے تو یہ اپنے اس اندوختہ سمیت جہنم کا ایندھن بنیں گے۔

فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ (۱۲)

پیغمبرؐ کو تسلی

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تسلی ہے کہ تم ان لوگوں کے رویے سے برداشتہ خاطر ہو کر اپنے فرض کی ادائگی میں ذرا ڈھیلے نہ پڑنا۔ اگر یہ تمہیں خدا کا رسول ماننے کے لیے یہ شرط ٹھہراتے ہیں کہ تمہارے پاس بہت بڑا خزانہ ہو یا تمہارے ساتھ کوئی فرشتہ تمہاری رسالت کی گواہی دیتا پھرے تو اس قسم کے احمقانہ مطالبات تمہارے لیے وجہ پریشانی نہ ہوں۔ تم صرف ان کے لیے نذیر بنا کر بھیجے گئے ہو، ان پر داروغہ مقرر کر کے نہیں بھیجے گئے ہو کہ لازماً ان کو تم ہدایت کے راستہ پر کر ہی دو۔ انذار کا فرض ادا کر دینے کے بعد تمہاری ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے۔ اگر لاطائل مطالبات کو بہانہ بنا کر یہ لوگ حقیقت سے گریز کرنا چاہتے ہیں تو معاملہ اللہ کے حوالے کرو۔ وہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے۔ تمہاری جانفشانیاں بھی اس کے سامنے ہیں اور ان کی شرارتیں بھی۔ وہ ان کو جس چیز کا مستحق پائے گا وہی ان کے ساتھ کرے گا اور جب کرے گا تو کوئی اس کا ہاتھ پکڑنے والا نہ بن سکے گا —— یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ اس قسم کی ہدایات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دینے کی وجہ یہ نہیں تھی کہ آپ وحی الٰہی کے کسی حصہ کی تبلیغ سے ہچکچا رہے تھے یا اس کو چھوڑ دینا چاہتے تھے بلکہ یہ حالات کی شدت اور ان کے سبب سے آپ کی پریشانی کے پیش نظر آپ کو اپنے موقف پر استقامت کی تلقین اور اپنی ذمہ داری کو اس کے حدود ہی تک محدود رکھنے کی ہدایت ہے۔ اس قسم کے مواقع میں خطاب میں جو ذرا تیزی ہوتی ہے اس کا رخ، جیسا کہ ہم بار بار ظاہر کر چکے ہیں، اصلاً پیغمبر کی طرف نہیں ہوتا بلکہ ان معاندین کی طرف ہوتا ہے جن کا عناد اس ہدایت کا موجب ہوتا ہے۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (۱۳)

مخالفین قرآن کو متبادل کلام پیش کرنے کا چیلنج

یہ استفہام اظہار تعجب کی نوعیت کا ہے۔ اوپر کے اعتراضات تو سادہ اسلوب میں نقل کر دیے ہیں لیکن قرآن کو پیغمبر کی گھڑی ہوئی کتاب قرار دینا ایک نہایت عجیب بات تھی، بالخصوص ان لوگوں کی زبان سے جو کلام کے حسن و قبح کے نقاد اور اس کے ایجاز و اعجاز کے قدر دان بھی تھے اور موازنہ اور مقابلہ کے لیے ان کے پاس اپنے چوٹی کے شاعروں اور خطیبوں کے کلام کا ایک دفتر بھی موجود تھا۔ اس وجہ سے اس کا ذکر تعجب کے اسلوب میں فرمایا کہ اگر یہ بے شرم ہو کر یہ بات کہتے ہیں تو اس کا فیصلہ نہایت آسانی سے یوں ہو سکتا ہے کہ وہ بھی ایسی ہی دس سورتیں گھڑی ہوئی پیش کر دیں اور اگر یہ کام تنہا ان کے بس کا نہ ہو تو اپنے ان شرکاء اور شفعاء کو بھی اپنی مدد کے لیے بلا لیں جن کو یہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں۔

'اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ' میں ایک مفہوم تو یہ ہے کہ اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو کہ جن کو تم پوجتے ہو یہ خدا کے شریک ہیں۔ اگر یہ خدا کے شریک ہیں تو یہ سب سے زیادہ اہم موقع ہے کہ وہ قرآن کی نظیر پیش کرنے میں تمہاری مدد کریں۔ اس لیے کہ اس قرآن کی بدولت سب سے زیادہ خطرے میں خود ان کی خدائی ہے۔

دوسرا مفہوم اس کے اندر یہ ہے کہ اگر تم اپنے اس گمان میں سچے ہو کہ یہ قرآن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اپنی تصنیف ہے جس کو وہ لوگوں کو مرعوب کرنے کے لیے جھوٹ موٹ خدا کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ سورۂ طور میں ہے:

اَمْ یَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ بَلْ لَّا یُؤْمِنُوْنَ ۔ فَلْیَاْتُوْا بِحَدِیْثٍ مِّثْلِهٖۤ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِیْنَ ۳۳-۳۴ (کیا وہ کہتے ہیں کہ اس کو گھڑ لیا ہے بلکہ وہ ایمان نہیں لانا چاہتے۔ اگر وہ اپنے اس گمان میں سچے ہیں تو اس کے مانند کوئی کلام خود پیش کر دیں) اس آیت سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ جو لوگ اس کو گھڑی ہوئی چیز قرار دیتے تھے یہ ان کے دل کی آواز نہیں تھی بلکہ یہ محض ایمان نہ لانے کا ایک بہانہ تراشا گیا تھا۔

تحدی کی نوعیت

اس سورہ میں ان سے دس سورتوں کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ سورۂ یونس آیت ۳۸ میں ایک ہی سورہ کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ بقرہ آیت ۲۳ میں بھی ایک ہی سورہ کا مطالبہ ہے۔ بنی اسرائیل آیت ۸۸ میں 'مثل قرآن' کا مطالبہ ہے اور سورۂ طور کی مذکورہ بالا آیت میں 'بِحَدِیْثٍ مِّثْلِهٖۤ' کے الفاظ ہیں جس کا واضح مفہوم یہی معلوم ہوتا ہے کہ مراد قرآن کی مانند کلام ہے۔ عام اس سے کہ وہ ایک سورہ کی شکل میں ہو یا دس سورتوں کی شکل میں، یا قرآن و کتاب کی شکل میں۔ عام طور پر لوگوں نے ان مختلف آیتوں کو سامنے رکھ کر اس تحدی کی ایک تدریج و ترتیب قائم کی ہے کہ پہلے ان سے مانند قرآن کتاب پیش کرنے کا مطالبہ کیا گیا، جب وہ اس سے عاجز رہے تو دس سورتوں کا مطالبہ کیا گیا، جب وہ اس سے بھی قاصر رہے تو ادنیٰ درجہ میں ان سے ایک ہی سورہ پیش کرنے کا مطالبہ کیا گیا، لیکن وہ اس کا بھی حوصلہ نہ کر سکے۔ اگرچہ یہ بات بظاہر اچھی معلوم ہوتی ہے لیکن اس کی صحت کا انحصار اس امر پر ہے کہ جن سورتوں میں یہ تحدی مذکور ہوئی ہے ان کا زمانۂ نزول تعین کے ساتھ معلوم ہو۔ چونکہ یہ معاملہ مشکل ہے اس وجہ سے ہمارے نزدیک صائب رائے یہ ہے کہ قرآن نے شروع ہی میں، جیسا کہ سورۂ طور کی مذکورہ بالا آیت سے واضح ہوتا ہے، قرآن کے مانند کلام پیش کرنے کا مطالبہ کیا، خواہ وہ دس سورتوں کی شکل میں ہو یا ایک ہی سورہ کی شکل میں، بعد میں اسی اجمال کو حسب موقع مختلف الفاظ میں واضح فرمایا گیا۔ ہمارے نزدیک اس کو عام معنی میں تحدی سمجھنا بھی کچھ صحیح نہیں ہے۔ تحدی اور چیلنج کا سوال وہاں پیدا ہوتا ہے جہاں گمان ہو کہ حریف میدان مقابلہ میں اترنے اور قسمت آزمائی کا حوصلہ رکھتا ہے۔ جب یہ واضح ہو کہ حریف کی ساری مشیخت محض حقیقت سے گریز و فرار کے لیے ایک بہانہ ہے تو اس کو ایک خاص اہتمام کے ساتھ چیلنج کرنے کے بجائے یہ بہتر ہوتا ہے کہ پہلا ہی وار اس کے لیے بھرپور ہو۔

فَاِلَّمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَاۤ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (۱۴)

'اِسْتَجَابَ لَهٗ' کے معنی ہیں: اس کے سوال کا جواب دیا، اس کی حاجت پوری کی۔ خدا کے تعلق سے یہ لفظ آئے تو اس کے معنی ہوں گے: اس کی دعا قبول کی۔

مخالفین قرآن پر اتمام حجت

اوپر والی آیت میں بات بالواسطہ کہی گئی تھی اس میں ان کو براہ راست خطاب کر کے فرمایا کہ اگر تمہارے یہ شعراء و شرکاء قرآن کا جواب پیش کرنے کی مہم میں تمہاری حاجت روائی کے لیے نہ اٹھیں تو پھر یہ مانو کہ یہ

کتاب علم الٰہی کا فیضان ہے جیسا کہ پیغمبر کہتے ہیں، نہ کہ ان کی گھڑی ہوئی، جیسا کہ تم الزام لگاتے ہو۔ اَنَّمَآ اُنۡزِلَ بِعِلۡمِ اللّٰهِ سے یہ بات واضح ہوتی کہ قرآن کے اعجاز کا اصل پہلو یہ ہے کہ وہ جس علم و معرفت کا خزانہ ہے وہ خزانہ خدا کے سوا کوئی اور بخش ہی نہیں سکتا۔ وَاَنۡ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یہ دوسرا بدیہی نتیجہ ہے جو اس کا جواب پیش کرنے سے قاصر رہنے کی صورت میں نکلتا ہے۔ وہ یہ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور تم جن کو معبود بنائے بیٹھے ہو، یہ محض خیالی چیزیں ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اگر ان کی کوئی حقیقت ہے تو یہ وقت ہے کہ وہ تمھاری اور خود اپنی عزت بچانے کے لیے کچھ جوہر دکھائیں۔ اگر اس نازک موقع پر بھی ان کی غیرت جوش میں نہیں آتی تو پھر آخر وہ کس مرض کی دوا ہیں۔ فَهَلۡ اَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ کے اسلوب بیان میں تشویق و ترغیب کا پہلو بھی ہے اور زجر و ملامت کا بھی۔ مطلب یہ ہے کہ تمھیں اپنی بات ثابت کرنے کے لیے پورا موقع حاصل ہے، تم اس کے لیے اپنے معبودوں کو بھی مدد کے لیے بلا سکتے ہو لیکن اس سب کے بعد بھی اگر تم کچھ نہ کر سکے تو بتاؤ اسلام لانے والے بنتے ہو؟

مَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا وَزِيۡنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيۡهِمۡ اَعۡمَالَهُمۡ فِيۡهَا وَهُمۡ فِيۡهَا لَا يُبۡخَسُوۡنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ لَيۡسَ لَهُمۡ فِى الۡاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوۡا فِيۡهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ (۱۵-۱۶)

وسعت رزق کے مغالطہ کی تردید

اوپر آیت ۱۲ میں کفار کے اس طعنہ کا حوالہ گزر چکا ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کی بے سر و سامانی کو آپؐ کی رسالت کے خلاف بطور دلیل پیش کرتے تھے۔ ان کا گمان یہ تھا کہ جب ہم دنیوی اسباب و وسائل کے اعتبار سے ان سے نہایت بہتر حالت میں ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا کی نگاہوں میں بھی ہم ان سے بہتر ہیں، پھر ہم کو خدا کے غضب اور اس کے عذاب سے ڈرانے کے کیا معنی؟ اگر ہم خدا کے مبغوض و مغضوب ہوتے تو کیا اس کا نتیجہ یہی نکلنا تھا کہ یہ جوتیاں چٹخاتے پھرتے اور ہم عیش کرتے؟ پھر تو یہ ہونا تھا کہ یہ خزانے لٹاتے اور ہم ان کی جوتیاں سیدھی کرتے۔ ان دونوں آیتوں میں ان کے اسی مغالطے کا جواب دیا ہے۔ فرمایا کہ یہ دنیا اور اس کی زینتیں نیک اعمال کے صلہ کے طور پر نہیں ملتیں کہ جو نیک اعمال نہ کریں وہ ان سے محروم رہیں۔ یہ دنیا تو نیک اور بد دونوں کو ملتی ہے البتہ جو دنیا ہی کے طالب ہوتے ہیں، آخرت کی جن کو کوئی پروا نہیں ہوتی ان کا سارا کھاتا یہیں بے باق کر دیا جاتا ہے، آخرت میں ان کے لیے دوزخ کے سوا کچھ نہیں بچ رہتا۔ چونکہ وہ کوئی کام آخرت کو مقصود بنا کر نہیں کرتے اس وجہ سے آخرت میں ان کے سارے اعمال حبط ہو جائیں گے۔ دنیا آخرت کے بغیر مجرد باطل رہ جاتی ہے اور اس باطل کو مقصود قرار دے کر جو کچھ بھی کیا جاتا ہے سب باطل ہوتا ہے اگرچہ وہ بظاہر نیکی ہی کے کام کیوں نہ ہوں۔ یہ مضمون قرآن میں جگہ جگہ بیان ہوا ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل میں یہی مضمون اس طرح بیان ہوا ہے۔ مَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ الۡعَاجِلَةَ عَجَّلۡنَا لَهٗ فِيۡهَا مَا نَشَآءُ لِمَنۡ نُّرِيۡدُ ثُمَّ جَعَلۡنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصۡلٰىهَا مَذۡمُوۡمًا

مَّدۡحُوۡرًا ﴿۱۸﴾ وَمَنۡ اَرَادَ الۡاٰخِرَۃَ وَسَعٰی لَہَا سَعۡیَہَا وَہُوَ مُؤۡمِنٌ فَاُولٰٓئِکَ کَانَ سَعۡیُہُمۡ مَّشۡکُوۡرًا ﴿۱۹﴾
کُلًّا نُّمِدُّ ہٰۤؤُلَآءِ وَہٰۤؤُلَآءِ مِنۡ عَطَآءِ رَبِّکَ ؕ وَمَا کَانَ عَطَآءُ رَبِّکَ مَحۡظُوۡرًا (۱۸-۲۰) (جو دنیا ہی کے طالب ہوتے ہیں ہم ان کو یہیں دے دیتے ہیں جو دنیا چاہتے ہیں، پھر ہم نے ان کے لیے جہنم تیار کر رکھی ہے جس میں وہ ذلیل اور راندہ ہو کر پڑیں گے اور جو آخرت کے طالب بنتے ہیں اور ایمان و اخلاص کے ساتھ اس کے لیے اس کے شایانِ شان کوشش بھی کرتے ہیں، وہی لوگ ہیں جن کی کوشش مقبول ہوگی، ہم تیرے رب کی بخشش سے دونوں کو فیض یاب کرتے ہیں، اُن کو بھی اور اِن کو بھی اور تیرے رب کی بخشش کسی پر بھی بند نہیں ہے) ان آیات میں 'مَا نَشَآءُ لِمَنۡ نُّرِیۡدُ' کے الفاظ سے یہ حقیقت واضح ہوئی کہ دنیا کے طالبوں کو بھی اتنا ہی ملتا ہے جتنا خدا چاہتا ہے اور انہی کو ملتا ہے جن کو خدا دینا چاہتا ہے۔ یہ نہیں کہ جو دنیا کا طالب بن جائے وہ جتنا چاہے سمیٹ لے۔ ان کے معاملے میں بھی جو کچھ ہوتا ہے خدا ہی کے اختیار اور اسی کی حکمت کے تحت ہوتا ہے۔ اسی طرح 'وَسَعٰی لَہَا سَعۡیَہَا وَہُوَ مُؤۡمِنٌ' کے الفاظ یہ حقیقت واضح کرتے ہیں کہ طلب آخرت بھی اللہ کے ہاں وہ معتبر ہے جو ایمان و اخلاص کے ساتھ ہو اور جس کے ساتھ آخرت کے شایانِ شان عملی جدوجہد بھی پائی جاتی ہو۔ اگر اس میں ریا اور شرک کی کوئی آلودگی شامل ہو، یا محض زبان کے پھاگ کے بل پر جنت کو جیتنے کے خواب دیکھے جا رہے ہوں تو ان لذیذ خوابوں کی خدا کے ہاں کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔

اَفَمَنۡ کَانَ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنۡ رَّبِّہٖ وَیَتۡلُوۡہُ شَاہِدٌ مِّنۡہُ وَمِنۡ قَبۡلِہٖ کِتٰبُ مُوۡسٰۤی اِمَامًا وَّرَحۡمَۃً ؕ اُولٰٓئِکَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِہٖ ؕ وَمَنۡ یَّکۡفُرۡ بِہٖ مِنَ الۡاَحۡزَابِ فَالنَّارُ مَوۡعِدُہٗ ۚ فَلَا تَکُ فِیۡ مِرۡیَۃٍ مِّنۡہُ ٭ اِنَّہُ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّکَ وَلٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ (۱۷)

مخالفین قرآن کی اصل بیماری

اب یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے کہ جو لوگ قرآن سے گریز و فرار کے لیے یہ بہانے تراش رہے ہیں اُن کی اصل بیماری یہ ہے کہ ان کی فطرت کا نور بجھ چکا ہے اور جن کی فطرت کا نور بجھ چکا ہو وہ قرآن پر ایمان لانے والے نہیں بن سکتے۔ اس پر ایمان لانے والے وہی بنیں گے جن کی فطرت مسخ ہونے سے محفوظ ہو۔ وہ بے شک پہلے سے بنیادی حقائق کے باب میں اپنے اندر ایک دلیل و برہان رکھتے ہیں، پھر جب اس کے بعد اوپر سے بھی قرآن کی شکل میں ان کے سامنے ایک شہادت آجاتی ہے تو وہ انھیں بعینہ اپنے دل کی آواز معلوم ہوتی ہے۔ وہ محسوس کرتے ہیں کہ جو کچھ وہ اپنے دل میں پا رہے ہیں اس کی تائید و تصدیق اس آسمانی شاہد کی زبان سے بھی ہو رہی ہے۔

اس طرح کے استفہامیہ جملوں میں بعض اوقات مقابل جملہ حذف کر دیا جاتا ہے جو قرینہ سے سمجھا جاتا ہے۔ گویا پوری بات یوں ہوگی کہ کیا وہ لوگ جن کے سامنے یہ یہ روشنیاں ہیں اور وہ لوگ جو ان تمام روشنیوں سے محروم ہیں، قرآن پر ایمان لانے کے معاملے میں یکساں ہوں گے؟ یہ نہیں ہو سکتا۔ اس پر

ایمان وہی لوگ لائیں گے جو نورِ فطرت سے بہرہ مند ہیں اور اس امر سے بھی آشنا ہیں کہ اس سے پہلے اسی طرح کی کتاب ہدایت و رحمت بن کر موسیٰؑ پر بھی اتر چکی ہے۔ اس طرح کے لوگوں کے لیے قرآن بے شک، ایک مانوس چیز ہے۔ وہ جب اس کو سنتے ہیں تو محسوس کرتے ہیں کہ جو کچھ وہ اپنے صحیفۂ فطرت میں پا رہے تھے اسی کی تصدیق و تائید خدا کی طرف سے ایک شاہد کے ذریعے سے بھی سامنے آگئی۔ چنانچہ ایسے ہی لوگ ہیں جو اس پر ایمان لائیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اس کی مخالفت میں طرح طرح کی باتیں بنا رہے ہیں ان کی محرومی کے اسباب خود ان کے اندر موجود ہیں۔ ان کی دل کی آنکھیں اندھی ہو چکی ہیں۔ ان سے کسی خیر کی امید نہ رکھو۔

بیّنۃ سے مراد نورِ فطرت ہے

'بَیِّنَۃ' کے معنی روشن دلیل اور واضح حجت کے ہیں۔ یہاں اس سے مراد، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، وہ نورِ فطرت ہے جو حق و باطل اور خیر و شر کے مبادی کے امتیاز کے لیے خدا نے خود ہمارے اندر ودیعت فرمایا ہے۔ جن کی فطرت، خارج کے برے اثرات سے جتنی ہی محفوظ ہوتی ہے ان کے اندر یہ نور اتنا ہی قوی ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرات انبیاءؑ اس سے کامل طور پر بہرہ مند ہوتے ہیں۔ ان کا باطن وحی کے نور سے منور ہونے سے پہلے بھی اس نور سے نورانی ہوتا ہے۔ ان کے لیے وحی کی حیثیت تاریکی پر روشنی کی نہیں بلکہ، جیسا کہ سورۂ نور میں ارشاد ہوا ہے، 'نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ' یعنی روشنی پر روشنی کی ہوتی ہے۔ آگے اسی سورہ کی آیات ۲۸ - ۶۳ - ۸۸ میں بھی یہ لفظ اسی مفہوم میں آیا ہے۔ عام لوگوں میں سے جو لوگ انبیاءؑ کی دعوت قبول کرنے میں سبقت کرتے ہیں وہ بھی علیٰ فرقِ مراتب اس نور سے بہرہ مند ہوتے ہیں اور جس کے اندر یہ نور جتنا ہی قوی ہوتا ہے وہ اسی اعتبار سے ان کی طرف سبقت بھی کرتا ہے اور اسی نسبت سے ان کا دست و بازو بھی بنتا ہے۔ اس کے بالکل برعکس حال ان لوگوں کا ہوتا ہے جو اپنی شامت اعمال سے اس نور کو بجھا کر 'ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ' کے گرداب میں پھنس جاتے ہیں۔

ضمیروں کے باب میں ایک خاص اسلوب

یہاں یہ بات بھی یاد رکھیے کہ اس طرح کے الفاظ کے معاملہ میں جن کی تانیث غیر حقیقی ہوتی ہے، یہ ضروری نہیں ہوا کرتا کہ ان کے لیے ضمیر لانے میں لفظ کے ظاہر کا لحاظ کیا جائے بلکہ ضمیر مذکر بھی لا سکتے ہیں اگر لفظ کا اصل مصداق مذکر ہو۔ چنانچہ یہاں 'یَتْلُوْہُ' میں اس کے لیے ضمیر مذکر ہی آئی ہے اس لیے کہ اس سے مراد درحقیقت، وہی چیز ہے جس کے لیے قرآن کے دوسرے مقامات میں 'نور'، 'برہان'، اور 'سلطان'، وغیرہ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

'وَیَتْلُوْہُ شَاهِدٌ مِّنْهُ' تلا یتلو کے معنی یہاں کسی چیز کے بعد اور پیچھے آنے کے ہیں اور 'مِنْهُ' میں ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے۔ اس نے اپنے فضل سے پہلے تو ہماری فطرت کے اندر وہ سب کچھ ودیعت فرما دیا جس کی قرآن دعوت دیتا ہے پھر اپنے مزید فضل سے اس نے لسانِ غیب کے ذریعے سے اس سارے ریکارڈ کو ہمیں سنا بھی دیا تاکہ کسی کے لیے کوئی عذر باقی نہ رہ جائے۔ 'شَاهِدٌ' سے مراد یہاں وہ وحی الٰہی

ہے جس کا مظہر قرآن ہے، جس کے لانے والے جبرائیل امین اور جس کے حامل پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے 'شَاهِدٌ' سے جبرائیل امین کو مراد لیا ہے۔ ہمارے نزدیک یہ بات صحیح ہے۔ وحی قرآن، جبرائیل اور پیغمبر میں فرق صرف تعبیر کا ہے۔ خدا کے شاہد ہونے کے اعتبار سے ان میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ چنانچہ قرآن میں یہ لفظ ان سب کے لیے استعمال ہوا ہے۔

قرآن کے حق میں پہلے کی شہادت

'وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً' یعنی پہلے کی شہادتوں میں سے یہ شہادت بھی قرآن کی تصدیق و تائید کے لیے ان کے سامنے موجود ہے کہ اسی طرح کی ایک کتاب، اسی طرح کی تعلیمات و ہدایات بلکہ اس کی اور اس کے حامل کی پیشین گوئیوں کے ساتھ اس سے پہلے امام اور رحمت بن بن کر موسیٰؑ پر بھی اتر چکی ہے۔ 'امام' اور 'رحمت' کے الفاظ یہاں اسی طرح آئے ہیں جس طرح بعض دوسرے مقامات میں 'هُدًى' اور 'رحمت' کے الفاظ آئے ہیں۔ یہاں 'هدی' کے مفہوم کو 'امام' کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے اس لیے کہ رہنمائی کا مضمون دونوں لفظوں کے اندر یکساں موجود ہے۔ ہم نے دوسرے مقام میں ان دونوں لفظوں کی تشریح کی ہے کہ یہ آغاز و انجام کے اعتبار سے استعمال ہوئے ہیں۔ یعنی یہ کتاب اس دنیا میں صراط مستقیم کی ہدایت و رہنمائی ہے اور جو لوگ اس ہدایت و رہنمائی کو قبول کرلیں ان کے لیے آخرت میں ابدی فضل و رحمت کا پیش خیمہ ہے۔

یہود کی بدبختی کی طرف اشارہ

یہاں ایک لطیف اشارہ بھی قابل توجہ ہے۔ اس سورہ میں مخاطب چونکہ اصلاً قریش ہیں اس وجہ سے یہ گمان ہوتا ہے کہ ان کے لیے کتاب موسیٰؑ کی نظیر کچھ زیادہ مؤثر نہیں ہوسکتی تھی۔ لیکن یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ قریش اول تو مذہبی علم و فضل کے اعتبار سے اہل کتاب کے معترف تھے ثانیاً یہاں قرآن ایک ہلکا سا اشارہ ان یہود کی طرف بھی کردینا چاہتا ہے جن کو ایک 'امام و رحمت' کتاب کے حامل ہونے کے سبب سے قرآن کی طرف سب سے پہلے سبقت کرنے والا بننا تھا لیکن وہ سبقت کرنے کے بجائے اندر اندر اس کی مخالفت کے لیے سازشوں کی تیاریاں کر رہے تھے۔ قرآن نے ایک نہایت لطیف اشارے کی شکل میں ان کو توجہ دلادی کہ ان کے مرتبہ و مقام کا تقاضا کیا ہے اور اگر انھوں نے اس کے خلاف کیا تو وہ اپنے آپ کو کس گڑھے میں گرائیں گے۔

'اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ' میں حصر کا مضمون پایا جاتا ہے۔ یعنی یہی لوگ جن کی خصوصیات اوپر بیان ہوئیں قرآن پر ایمان لائیں گے۔ اس سے یہ بات آپ سے آپ نکلی کہ جو لوگ قرآن کی مخالفت کر رہے ہیں ان خصوصیات سے محروم ہیں۔ چونکہ یہ بات کلام کے سیاق سے واضح تھی اس وجہ سے حذف کردی گئی۔

خطاب پیغمبر سے عتاب دوسروں پہ

'وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ' 'احزاب' کے لفظ میں ذرا وسعت ہے۔ قرآن نے اپنے سامنے کے مخالفین کے ساتھ ساتھ ان مخالفین کی طرف بھی ہلکا سا اشارہ کردیا ہے جو ابھی اس مرحلے تک تو اگرچہ پردے کے پیچھے تھے لیکن بعد کے مراحل میں نہایت خطرناک دشمن بن کر سامنے آئے۔ یعنی اہل کتاب۔

'فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ' یہ خطاب اگرچہ عام بھی

ہو سکتا ہے لیکن ہمارے نزدیک خطاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے ہے۔ البتہ اس طرح کے جملوں میں جو حتاب ہوتا ہے اس کا رخ، جیسا کہ ہم دوسرے مقامات میں واضح کر چکے ہیں، مخالفین کی طرف ہوتا ہے لیکن وہ لائق التفات نہیں رہ جاتے اس وجہ سے ان کو خطاب کر کے بات براہ راست کہنے کی بجائے پیغمبر کو خطاب کر کے کہہ دی جاتی ہے۔ زجر و ملامت کا یہ اسلوب بسا اوقات براہ راست زجر و تنبیہ سے زیادہ مؤثر ثابت ہوتا ہے۔ قرآن میں اس کی نہایت دلآویز مثالیں موجود ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر یہ شامت زدہ لوگ اس واضح حقیقت کو جھٹلا رہے ہیں تو جھٹلائیں، ان کی اس روش سے تم کسی الجھن میں نہ پڑو۔ یہی حقیقت ہے اور یہ تمہارے رب کی طرف سے ہے لیکن اکثر لوگ اپنی بدبختی کے سبب سے ایمان نہیں لائیں گے۔

یہ مضمون سورۂ رعد کی آیت ۱۹ میں بیان ہوا ہے۔ وہاں انشاء اللہ ہم اس کی مزید وضاحت کریں گے۔ سورۂ یونس کی آیات ۹۴-۹۵ کے تحت ہم جو کچھ لکھ آئے ہیں ایک نظر اس پر بھی ڈال لیجیے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا ؕ اُولٰٓئِکَ یُعْرَضُوْنَ عَلٰی رَبِّھِمْ وَیَقُوْلُ الْاَشْھَادُ ھٰٓؤُلَآءِ الَّذِیْنَ کَذَبُوْا عَلٰی رَبِّھِمْ ۚ اَلَا لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الظّٰلِمِیْنَ ۙ الَّذِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَیَبْغُوْنَھَا عِوَجًا ؕ وَھُمْ بِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ کٰفِرُوْنَ (۱۸-۱۹)

مشرکین کی بدبختی پر اظہار افسوس

یہی مضمون بعینہٖ اسی سیاق و سباق کے ساتھ سورۂ یونس کی آیات ۱۷-۱۸ میں گزر چکا ہے، وہاں تصریح ہے کہ قریش کو قرآن سے سب سے زیادہ چڑ اس کی دعوت توحید سے ہے۔ وہ اپنے دیوتاؤں کی مذمت سن کر آگ بگولا ہو جاتے اور پھر اس کے خلاف جو کچھ منہ میں آجاتا وہ بک ڈالتے۔ قرآن نے یہاں ان کے اسی اصل محرک مخالفت کو سامنے رکھ کر ان کی بدبختی اور محرومی پر افسوس کیا ہے کہ ان سے بڑھ کر بدقسمت اور اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والا کون ہو سکتا ہے جنھوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا، یعنی اللہ کے سوا دوسری چیزوں کی پرستش کی اور ان کے متعلق بالکل جھوٹ موٹ، بلا کسی سند اور دلیل کے، یہ دعویٰ کیا ہے کہ خدا نے ان کو اپنا شریک بنایا ہے اور ان کی عبادت کا حکم دیا ہے۔ یہ سب سے بڑی بدقسمتی اس وجہ سے ہے کہ یہی چیز ان کی ابدی محرومی کا باعث ہوگی جب کہ قیامت کے دن ان کے سامنے یہ راز کھلے گا کہ جن کی انھوں نے زندگی بھر عبادت کی اور جن کی حمیت حمایت میں اللہ کی کتاب کو جھٹلایا وہ سب ہوا ہو گئے اور معاملہ تنہا خدائے واحد و قہار سے پڑا۔

وَیَقُوْلُ الْاَشْھَادُ ھٰٓؤُلَآءِ الَّذِیْنَ کَذَبُوْا عَلٰی رَبِّھِمْ۔ یہ شہادت انبیاء کی بھی ہو سکتی ہے، اس لیے کہ قرآن میں تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر نبی سے اس کی امت پر قیامت کے دن گواہی دلوائے گا کہ اس نے ان کو کیا تعلیم دی تھی اور انھوں نے اس میں کیا بگاڑ پیدا کیا، ان ہستیوں کی بھی ہو سکتی ہے جن کو معبود بنا کر پوجا گیا حالانکہ نہ انھوں نے اس کا حکم دیا اور نہ انھیں اس کی خبر ہوئی اور ان فرشتوں کی بھی ہو سکتی ہے جو ہر شخص کے سارے اعمال کا ریکارڈ رکھتے ہیں اور قیامت کے دن یہ سارا ریکارڈ سامنے آئے گا۔

اَلَا لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الظّٰلِمِیْنَ۔ یہ وہ منادی ہے جو گواہوں کی گواہی کے بعد ان مشرکین پر لعنت

کے لیے کی جائے گی۔ اور یہ لعنت ان کے لیے تمام مصیبتوں کا فتح باب ہوگی۔

مشرکین کے جرائم

اَلَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۔ یہ ان ظالمین کی مزید صفات بیان کر دی گئیں تاکہ کلام مطابق حال بھی ہو جائے اور ان کے وہ جرائم بھی سامنے آجائیں جو اس لعنت کے موجب ہوں گے۔ ان کا ایک جرم تو یہ ہے کہ انھوں نے دیدہ و دانستہ، حقیقت کے واضح ہونے کے باوجود، لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکا اور دوسرا جرم یہ ہے کہ اس راستہ کو کج کرنے کی کوشش کی۔ بندوں کے لیے خدا تک پہنچنے کی راہ بالکل ہموار و مستقیم ہے، اس میں کج پیچ اور پگڈنڈیاں نہیں ہیں۔ بندہ اس راہ پر چلے تو براہ راست اپنے رب سے تعلق پیدا کر لیتا ہے لیکن ان ظالموں نے اس راہ میں بہت سے اڑنگے ڈال دیے۔ قدم قدم پر انھوں نے اس کا رخ مختلف تھانوں، استھانوں، دیویوں اور دیوتاؤں کی طرف موڑ دیا اور اس طرح لوگوں کو اصل شاہراہ توحید سے ہٹا کر گلیوں اور کوچوں میں ڈال دیا۔

'وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ' میں مبتدا کے اعادے سے مقصود اس پر زور دینا ہے۔ یعنی آخرت کے اصلی منکر یہی ہیں۔ اول تو انھوں نے خلق کو اللہ کے راستہ سے روکنے کی کوشش کی اور یہ جسارت آخرت سے بالکل بے پروا ہوئے بغیر ممکن نہیں۔ دوسرے شرک بجائے خود آخرت کی نفی ہے اس لیے کہ شرکا و شفعاء جب اپنے پجاریوں کو بہر حال بخشوا ہی لیں گے خواہ ان کے عقائد و اعمال کچھ ہی ہوں تو آخرت کا ہونا، نہ ہونا دونوں یکساں ہوا۔ آخرت کو صرف مان لینا مطلوب نہیں ہے بلکہ یہ ماننا ضروری ہے کہ وہ ہر ایک کے لیے بے لاگ انصاف کا دن ہوگا اور خدا کے آگے اس دن کسی کا زور نہیں چلے گا۔

اُولٰٓئِكَ لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ۘ يُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ؕ مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ (۲۰)

یعنی دنیا میں اللہ نے ان کو جو مہلت دی تو اس وجہ سے نہیں کہ وہ خدا کے قابو سے باہر تھے بلکہ یہ اس کی ڈھیل تھی کہ وہ توبہ اور اصلاح کرنا چاہیں تو توبہ اور اصلاح کر لیں ورنہ اپنا پیمانہ اچھی طرح بھر لیں۔ ان کا یہ زعم بھی بالکل بے حقیقت تھا کہ ان کے کچھ اولیاء اور مددگار ہیں جو خدا کی پکڑ سے ان کو بچا سکتے ہیں۔ اب سارے حقائق ان کے سامنے آگئے۔ اب یہ اپنے کیے کی سزا بھگتیں گے اور چونکہ یہ خدا کی راہ سے صرف خود ہی نہیں رکے بلکہ دوسروں کو بھی روکنے والے بنے اس وجہ سے یہ دوہرے عذاب کے مستحق ٹھہریں گے۔ مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ ۔ یعنی نفرت اور بیزاری کی شدت کے سبب سے نہ تو یہ اللہ اور رسول کی باتیں سننے ہی کے لیے تیار ہوتے تھے اور نہ محبت دنیا کا پردہ اللہ کی نشانیاں دیکھنے کے لیے ان کی آنکھیں ہی کھلنے دیتا تھا۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ (۲۱-۲۲)

ظاہر ہے کہ جن لوگوں نے اس طرح اپنی صلاحیتیں برباد کیں انھوں نے اپنے آپ

کو خود اپنے ہی ہاتھوں برباد کیا اور جن کی مدد اور شفاعت کے اعتماد پر یہ خطرناک کھیل کھیلے ان میں سے کوئی ان کے کام آنے والا نہ بنے گا اس لیے کہ خدا پر افترا کرکے محض اپنے ذہن سے جو خیالی معبود انھوں نے گھڑے وہ سب بے حقیقت ثابت ہوں گے ظاہر ہے کہ آخرت کی نامرادی ایسے ہی عقل و بصیرت سے محروم لوگوں کے حصے میں آئے گی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَخْبَتُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ ۙ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (۲۳)

اہل ایمان کے فضائل

اب یہ کفار و مشرکین کے مقابل گروہ یعنی اہل ایمان کے انجام کا ذکر ہے۔ وَاَخْبَتُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ کے معنی اِطْمَاَنُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَتَخَشَّعُوْا اَمَامَهٗ کے ہیں۔ یعنی ہر ایک سے کٹ کر اپنے رب کی طرف پوری دلجمعی اور کامل یکسوئی کے ساتھ وہ جھک پڑے۔ اوپر مشرکین کا حال تو یہ بیان ہوا ہے کہ وہ اپنے کبر و غرور کے سبب سے نہ اپنے کان ہی کھولنے کے لیے تیار ہوئے نہ اپنی آنکھیں ہی لیکن ان لوگوں نے ایمان و عمل صالح کی روش اختیار کی اور خلق خدا کو اللہ کی صراط مستقیم سے ہٹانے اور اس کو مختلف وادیوں میں ہرزہ گردی کرانے کے بجائے پوری یکسوئی و فروتنی کے ساتھ اپنے آپ کو اپنے خالق و پروردگار کے آگے ڈال دیا فرمایا کہ یہی لوگ جنت کے وارث ہوں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے ایک مرتبہ اس میں داخل ہو جانے کے بعد پھر اس سے کبھی محروم نہیں ہوں گے۔

مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ ۭ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ (۲۴)

اوپر کفار کی حالت بیان ہوچکی ہے کہ مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ، کہ ان کے ہوش کے کان اور ان کی بصیرت کی آنکھیں بند ہو چکی تھیں اس وجہ سے وہ قرآن کو سننے اور اللہ کی نشانیوں کے مشاہدہ سے محروم رہے۔ اس کے برعکس اہل ایمان نے اپنی آنکھیں بھی کھلی رکھیں اور اپنے کان بھی۔ فرمایا کہ ان دونوں گروہوں کی تمثیل یہ ہے کہ ایک اندھا اور بہرا ہو اور دوسرا بینا اور شنوا تو دونوں کا رویہ قرآن کے باب میں ایک سا کس طرح ہو سکتا ہے؟ قرآن کی دعوت سرتاسر عقل و بصیرت پر مبنی ہے، اس پر ایمان وہی لوگ لائیں گے جن کے کان اور دل کھلے ہوں اور جنھوں نے بخشی ہوئی فطری صلاحیتیں اپنی محفوظ رکھی ہوں۔

۲۔ آگے کا مضمون ـــــ آیات ۲۵-۹۹

آگے آیت ۹۹ تک ایک تاریخی ترتیب کے ساتھ پچھلے رسولوں اور ان کی قوموں کی سرگزشتیں سنائی گئی ہیں۔ ان کے سنانے سے مقصود ایک طرف تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دکھانا ہے کہ آج جو کچھ تمھیں پیش آ رہا ہے بعینہٖ وہی کچھ تم سے پہلے آنے والے رسولوں کو بھی پیش آ چکا ہے، تو تم ان کی زندگیوں سے رہنمائی حاصل کرو اور جس طرح انھوں نے صبر و عزیمت کے ساتھ حالات کا مقابلہ کیا اسی طرح تم بھی حالات کا مقابلہ کرو۔ دوسری طرف قریش کو یہ دکھانا ہے کہ تم نے جو روش اپنے رسول کے ساتھ اختیار کی ہے وہی

روش تمہاری پیش رو قوموں نے بھی اختیار کی تھی جس کے نتیجہ میں ایک خاص حد تک مہلت دیے جانے کے بعد وہ ہلاک کر دی گئیں تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ جس طرح کا معاملہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ کیا اسی طرح کا معاملہ وہ تمہارے ساتھ نہ کرے۔ اس روشنی میں آگے کی آیات تلاوت فرمایئے۔

آیات ۲۵-۹۹

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖۤ اِنِّیْ لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۲۵﴾ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ اَلِیْمٍ ﴿۲۶﴾ فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَ مَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِیْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِ ۚ وَ مَا نَرٰی لَكُمْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍۭ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِیْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَ اٰتٰىنِیْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّیَتْ عَلَیْكُمْ ؕ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَ اَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَ یٰقَوْمِ لَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مَالًا ؕ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ وَ مَاۤ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَ لٰكِنِّیْۤ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ وَ یٰقَوْمِ مَنْ یَّنْصُرُنِیْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَ لَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ وَ لَاۤ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَ لَاۤ اَقُوْلُ اِنِّیْ مَلَكٌ وَّ لَاۤ اَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ تَزْدَرِیْۤ اَعْیُنُكُمْ لَنْ یُّؤْتِیَهُمُ اللّٰهُ خَیْرًا ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ ۚۖ اِنِّیْۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْا یٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ اِنَّمَا یَاْتِیْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَ مَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ ﴿۳۳﴾ وَ لَا یَنْفَعُكُمْ نُصْحِیْۤ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ یُرِیْدُ اَنْ یُّغْوِیَكُمْ ؕ هُوَ

رَبُّكُمْ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۳۴﴾ أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۖ قُلْ إِنِ افْتَرَيْتُهُ
فَعَلَيَّ إِجْرَامِي وَأَنَا بَرِيءٌ مِّمَّا تُجْرِمُونَ ﴿۳۵﴾ وَأُوحِيَ إِلَىٰ نُوحٍ أَنَّهُ
لَن يُؤْمِنَ مِن قَوْمِكَ إِلَّا مَن قَدْ آمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا
يَفْعَلُونَ ﴿۳۶﴾ وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي
الَّذِينَ ظَلَمُوا ۚ إِنَّهُم مُّغْرَقُونَ ﴿۳۷﴾ وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ
مَلَأٌ مِّن قَوْمِهِ سَخِرُوا مِنْهُ ۚ قَالَ إِن تَسْخَرُوا مِنَّا فَإِنَّا نَسْخَرُ
مِنكُمْ كَمَا تَسْخَرُونَ ﴿۳۸﴾ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ مَن يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ
وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ﴿۳۹﴾ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّورُ
قُلْنَا احْمِلْ فِيهَا مِن كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ إِلَّا مَن سَبَقَ عَلَيْهِ
الْقَوْلُ وَمَنْ آمَنَ ۚ وَمَا آمَنَ مَعَهُ إِلَّا قَلِيلٌ ﴿۴۰﴾ وَقَالَ ارْكَبُوا فِيهَا
بِسْمِ اللَّهِ مَجْرَاهَا وَمُرْسَاهَا ۚ إِنَّ رَبِّي لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۴۱﴾ وَهِيَ تَجْرِي
بِهِمْ فِي مَوْجٍ كَالْجِبَالِ وَنَادَىٰ نُوحٌ ابْنَهُ وَكَانَ فِي مَعْزِلٍ يَا بُنَيَّ
ارْكَب مَّعَنَا وَلَا تَكُن مَّعَ الْكَافِرِينَ ﴿۴۲﴾ قَالَ سَآوِي إِلَىٰ جَبَلٍ يَعْصِمُنِي
مِنَ الْمَاءِ ۚ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ إِلَّا مَن رَّحِمَ ۚ وَحَالَ
بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِينَ ﴿۴۳﴾ وَقِيلَ يَا أَرْضُ ابْلَعِي مَاءَكِ
وَيَا سَمَاءُ أَقْلِعِي وَغِيضَ الْمَاءُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِيِّ ۖ
وَقِيلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿۴۴﴾ وَنَادَىٰ نُوحٌ رَّبَّهُ فَقَالَ رَبِّ إِنَّ
ابْنِي مِنْ أَهْلِي وَإِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَأَنتَ أَحْكَمُ الْحَاكِمِينَ ﴿۴۵﴾ قَالَ

ع ۳ ۱۱ ۳

تروحفص بفتح الميم ولحالة المد ۱۲

الربع

يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسْئَلْنِ مَا
لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۚ اِنِّيْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَ
رَبِّ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْئَلَكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ۚ وَاِلَّا تَغْفِرْ لِيْ وَ
تَرْحَمْنِيْٓ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۴۷﴾ قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَ
بَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ۚ وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ
مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۴۸﴾ تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ
تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۚۛ فَاصْبِرْ ۚۛ اِنَّ الْعَاقِبَةَ
لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۹﴾ وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا
لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۚ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ﴿۵۰﴾ يٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ
اَجْرًا ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى الَّذِيْ فَطَرَنِيْ ۚ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَيٰقَوْمِ
اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ
قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ
وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۳﴾ اِنْ
نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ۚ قَالَ اِنِّيْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا
اَنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا
تُنْظِرُوْنِ ﴿۵۵﴾ اِنِّيْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ ۚ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا
هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ۚ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۶﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ
اَبْلَغْتُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖٓ اِلَيْكُمْ ۚ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّيْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۚ وَلَا

تَضُرُّوْنَهٗ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ﴿۵۷﴾ وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا
نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَنَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ
عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۵۸﴾ وَتِلْكَ عَادٌ ۟ۙ جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا
رُسُلَهٗ وَاتَّبَعُوْۤا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۵۹﴾ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا
لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ
قَوْمِ هُوْدٍ ﴿۶۰﴾ وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ
مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا
فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ ﴿۶۱﴾ قَالُوْا
يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَاۤ اَتَنْهٰىنَاۤ اَنْ نَّعْبُدَ مَا
يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَاۤ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ﴿۶۲﴾ قَالَ
يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً
فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ ۫ فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ﴿۶۳﴾
وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْۤ اَرْضِ اللّٰهِ
وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ ﴿۶۴﴾ فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ
تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ؕ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ﴿۶۵﴾ فَلَمَّا
جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ
خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿۶۶﴾ وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا
الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۶۷﴾ۙ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ

ع ۵ / ۱۱

أَلَآ إِنَّ ثَمُودَا۟ كَفَرُوا۟ رَبَّهُمْ ۗ أَلَا بُعْدًا لِّثَمُودَ ﴿٦٨﴾ وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ
إِبْرَٰهِيمَ بِٱلْبُشْرَىٰ قَالُوا۟ سَلَٰمًا ۖ قَالَ سَلَٰمٌ ۖ فَمَا لَبِثَ أَن جَآءَ بِعِجْلٍ
حَنِيذٍ ﴿٦٩﴾ فَلَمَّا رَءَآ أَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ إِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً ۚ
قَالُوا۟ لَا تَخَفْ إِنَّآ أُرْسِلْنَآ إِلَىٰ قَوْمِ لُوطٍ ﴿٧٠﴾ وَٱمْرَأَتُهُۥ قَآئِمَةٌ
فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنَٰهَا بِإِسْحَٰقَ وَمِن وَرَآءِ إِسْحَٰقَ يَعْقُوبَ ﴿٧١﴾ قَالَتْ
يَٰوَيْلَتَىٰٓ ءَأَلِدُ وَأَنَا۠ عَجُوزٌ وَهَٰذَا بَعْلِى شَيْخًا ۖ إِنَّ هَٰذَا لَشَىْءٌ عَجِيبٌ ﴿٧٢﴾
قَالُوٓا۟ أَتَعْجَبِينَ مِنْ أَمْرِ ٱللَّهِ ۖ رَحْمَتُ ٱللَّهِ وَبَرَكَٰتُهُۥ عَلَيْكُمْ أَهْلَ ٱلْبَيْتِ ۚ
إِنَّهُۥ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ ﴿٧٣﴾ فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ إِبْرَٰهِيمَ ٱلرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ
ٱلْبُشْرَىٰ يُجَٰدِلُنَا فِى قَوْمِ لُوطٍ ﴿٧٤﴾ إِنَّ إِبْرَٰهِيمَ لَحَلِيمٌ أَوَّٰهٌ مُّنِيبٌ ﴿٧٥﴾
يَٰٓإِبْرَٰهِيمُ أَعْرِضْ عَنْ هَٰذَآ ۖ إِنَّهُۥ قَدْ جَآءَ أَمْرُ رَبِّكَ ۖ وَإِنَّهُمْ ءَاتِيهِمْ عَذَابٌ
غَيْرُ مَرْدُودٍ ﴿٧٦﴾ وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِىٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ
ذَرْعًا وَقَالَ هَٰذَا يَوْمٌ عَصِيبٌ ﴿٧٧﴾ وَجَآءَهُۥ قَوْمُهُۥ يُهْرَعُونَ إِلَيْهِ
وَمِن قَبْلُ كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ ٱلسَّيِّـَٔاتِ ۚ قَالَ يَٰقَوْمِ هَٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِى هُنَّ
أَطْهَرُ لَكُمْ ۖ فَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ وَلَا تُخْزُونِ فِى ضَيْفِىٓ ۖ أَلَيْسَ مِنكُمْ رَجُلٌ
رَّشِيدٌ ﴿٧٨﴾ قَالُوا۟ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِى بَنَاتِكَ مِنْ حَقٍّ وَإِنَّكَ لَتَعْلَمُ
مَا نُرِيدُ ﴿٧٩﴾ قَالَ لَوْ أَنَّ لِى بِكُمْ قُوَّةً أَوْ ءَاوِىٓ إِلَىٰ رُكْنٍ شَدِيدٍ ﴿٨٠﴾
قَالُوا۟ يَٰلُوطُ إِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَن يَصِلُوٓا۟ إِلَيْكَ ۖ فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ
مِّنَ ٱلَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنكُمْ أَحَدٌ إِلَّا ٱمْرَأَتَكَ ۖ إِنَّهُۥ مُصِيبُهَا

ع

مَآ اَصَابَهُمْ ؕ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ؕ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ ﴿۸۱﴾ فَلَمَّا
جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ
سِجِّيْلٍ ۬ۙ مَّنْضُوْدٍ ﴿۸۲﴾ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ؕ وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ‏ ع ۵ النصف
بِبَعِيْدٍ ﴿۸۳﴾ وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا
لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِنِّيْۤ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ
وَّاِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ﴿۸۴﴾ وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ
وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ
مُفْسِدِيْنَ ﴿۸۵﴾ بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَآ اَنَا
عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿۸۶﴾ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا
يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْۤ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ؕ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ
الرَّشِيْدُ ﴿۸۷﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَ
رَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰىكُمْ
عَنْهُ ؕ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ؕ وَمَا تَوْفِيْقِيْۤ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ
عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ﴿۸۸﴾ وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْۤ اَنْ
يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ؕ
وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ﴿۸۹﴾ وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَيْهِ ؕ
اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ﴿۹۰﴾ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا
تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ۫ وَمَآ

أَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيزٍ ﴿٩١﴾ قَالَ يٰقَوْمِ أَرَهْطِيٓ أَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ
اتَّخَذْتُمُوهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا ۖ إِنَّ رَبِّي بِمَا تَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ﴿٩٢﴾ وَ
يٰقَوْمِ اعْمَلُوا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ إِنِّي عَامِلٌ ۖ سَوْفَ تَعْلَمُونَ ۙ مَنْ
يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ۖ وَارْتَقِبُوٓا إِنِّي مَعَكُمْ
رَقِيبٌ ﴿٩٣﴾ وَلَمَّا جَآءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِينَ اٰمَنُوا مَعَهٗ
بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَأَخَذَتِ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَأَصْبَحُوا فِي
دِيَارِهِمْ جٰثِمِينَ ﴿٩٤﴾ كَأَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيهَا ۗ أَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ
ثَمُودُ ﴿٩٥﴾ ع وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِينٍ ﴿٩٦﴾ إِلٰى فِرْعَوْنَ
وَمَلَإِيهٖ فَاتَّبَعُوٓا أَمْرَ فِرْعَوْنَ ۖ وَمَآ أَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيدٍ ﴿٩٧﴾ يَقْدُمُ
قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَأَوْرَدَهُمُ النَّارَ ۖ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُودُ ﴿٩٨﴾
وَأُتْبِعُوا فِي هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُودُ ﴿٩٩﴾

ع ۱۲ — ۸ / ۸

ترجمۂ آیات ۲۵-۹۹

اور ہم نے نوحؑ کو اس کی قوم کی طرف، رسول بنا کر بھیجا۔ اس نے ان کو آگاہ کیا کہ میں تمھارے لیے ایک نذیرِ مبین ہو کر آیا ہوں کہ اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی نہ کرو۔ میں تم پر ایک دردناک عذاب کے دن کا اندیشہ رکھتا ہوں۔ اس کی قوم کے ان سربراہوں نے جنھوں نے کفر کیا، جواب دیا کہ ہم تو تم کو بس اپنا ہی جیسا ایک آدمی دیکھتے ہیں اور ہم تمھاری پیروی کرنے والوں میں انھی کو پاتے ہیں جو ہمارے اندر کے ذلیل لوگ ہیں، بے سمجھے بوجھے تمھارے پیچھے لگ گئے ہیں اور ہم تم لوگوں کے لیے اپنے مقابل میں کوئی خاص امتیاز بھی نہیں دیکھ رہے ہیں بلکہ ہم تو تم کو بالکل جھوٹا خیال کر رہے ہیں۔ ۲۵-۲۷

اس نے کہا، اے میرے ہم قومو! بتاؤ اگر میں اپنے رب کی جانب سے ایک روشن دلیل پر ہوں اور پھر اس نے خاص اپنی رحمت سے بھی مجھے نوازا اور وہ تم سے پوشیدہ رہی تو کیا ہم اس کو تم پر چپکا دیں جب کہ تم اس سے بیزار بھی ہو! اور اے میرے ہم قومو، میں اس خدمت پر تم سے کسی مال کا طالب نہیں۔ میرا اجر تو بس اللہ ہی کے ذمہ ہے اور میں ان لوگوں کو ہرگز دھتکارنے والا نہیں جو ایمان لاتے ہیں۔ یہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں بلکہ میں تو تم کو دیکھ رہا ہوں کہ تم جہالت میں مبتلا ہو۔ اور اے میرے ہم قومو، اگر میں ان کو دھتکار دوں تو خدا کے مقابل میں کون میری مدد کرے گا؟ کیا تم لوگ اس پہلو پر دھیان نہیں کرتے؟ اور میں تمھارے سامنے یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا اور نہ یہ دعویٰ کرتا کہ میں کوئی فرشتہ ہوں اور نہ میں ان لوگوں کے بارے میں، جن کو تمھاری نگاہیں حقیر دیکھتی ہیں، یہ کہہ سکتا کہ خدا ان کو کوئی خیر دے ہی نہیں سکتا۔ جو کچھ ان کے دلوں میں ہے اس کو خدا ہی خوب جانتا ہے۔ اگر میں ایسا کروں تو میں ہی ظالم ٹھہروں گا۔ وہ بولے کہ اے نوحؑ تم نے ہم سے بحث کر لی اور بہت بحث کر لی، اگر تم سچے ہو تو وہ چیز ہم پر لاؤ جس کی تم ہم کو برابر دھمکی سنا رہے ہو۔ اس نے جواب دیا کہ اس کو تو تم پر اللہ ہی لائے گا اگر وہ چاہے گا اور تم اس کے قابو سے باہر نہ نکل سکو گے اور میری خیر خواہی تم پر کچھ کارگر نہیں ہو سکتی اگر میں تمھاری خیر خواہی کرنا چاہوں اگر اللہ تم کو گمراہ کرنا چاہتا ہو۔ وہی تمھارا رب ہے اور اسی کی طرف تم کو لوٹنا ہے۔ ۲۸-۳۴

کیا یہ کہتے ہیں کہ اس نے اس کو گھڑ لیا ہے، کہہ دو، کہ اگر میں نے اس کو گھڑا ہے تو میرے جرم کا وبال میرے ہی اوپر ہے اور جو جرم تم کر رہے ہو میں اس سے بری ہوں۔ ۳۵

اور نوحؑ کو وحی کی گئی کہ تمھاری قوم میں سے جو ایمان لا چکے ان کے سوا اب کوئی اور ایمان

لانے والا نہیں تو جو کچھ یہ کرتے رہے ہیں اس سے آزردہ خاطر نہ ہو اور تم کشتی بناؤ ہمارے نگرانی
میں اور ہماری ہدایت کے مطابق اور ان ظالموں کے باب میں اب ہم سے کچھ نہ کہیو، یہ تو غرق
ہو کر رہیں گے۔ اور وہ کشتی بنانے لگا۔ اور جب جب اس کی قوم کے بڑوں کی کوئی جماعت
اس کے پاس سے گزرتی تو اس کا مذاق اڑاتی۔ وہ ان کو جواب دیتا کہ اگر تم ہمارا مذاق اڑا رہے
ہو تو جس طرح تم مذاق اڑا رہے ہو اسی طرح ہم بھی تمھارا مذاق اڑائیں گے۔ تم جلد جان لوگے کہ
وہ کون ہیں جن پر وہ عذاب آتا ہے جو ان کو رسوا کر کے رکھ دیتا ہے اور وہ قہر نازل ہوتا ہے
جو ٹلنے کے رہ جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آ پہنچا اور طوفان اُبل پڑا، ہم نے اس کو
کہا کہ ہر چیز میں سے نر و مادہ دونوں کو اور اپنے اہل و عیال کو، بجز ان کے جن پر حکم نافذ ہو
چکا ہے، اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں، اس کشتی میں سوار کرالو، اور اس کے ساتھ
ایمان لانے والوں کی تعداد تو بس تھوڑی ہی تھی۔ اور اس نے کہا کہ اس میں سوار ہو جاؤ،
اللہ ہی کے نام سے ہے اس کا چلنا اور اس کا لنگر انداز ہونا۔ میرا رب بڑا ہی بخشنے والا
مہربان ہے۔ ۳۶-۴۱

اور وہ کشتی پہاڑوں کی طرح اٹھتی موجوں کے درمیان ان کو لے کر چلنے لگی اور نوحؑ نے اپنے
بیٹے کو، جو اس سے الگ تھا، آواز دی کہ اے میرے بیٹے ہمارے ساتھ سوار ہو جا اور ان
کافروں کا ساتھ نہ دے۔ وہ بولا کہ میں ابھی کسی پہاڑ کی پناہ لے لوں گا جو مجھے پانی سے بچا
لے گا۔ نوحؑ نے کہا، آج اللہ کے قہر سے کوئی بچانے والا نہیں ہے مگر وہی جس پر رحم فرمائے۔
اور ان دونوں کے درمیان موج حائل ہو گئی اور وہ بھی غرق ہونے والوں میں سے ہو کے رہا۔ اور
حکم ہوا کہ اے زمین اپنا پانی نگل لے اور اے آسمان تھم جا اور پانی اتار دیا گیا اور معاملے کا

فیصلہ ہوگیا اور کشتی کوہ جودی پر جا لگی اور اعلان کر دیا گیا کہ ظالموں پر خدا کی پھٹکار ہے۔

اور نوح نے اپنے رب کو پکارا اور کہا کہ اے میرے خداوند میرا بیٹا تو میرے اہل میں سے ہے اور تیرا وعدہ پکا ہے اور تو تمام فیصلہ کرنے والوں سے بڑھ کر فیصلہ کرنے والا ہے۔ فرمایا، اے نوح وہ تمھارے اہل میں سے نہیں ہے، وہ نہایت نابکار ہے۔ مجھ سے اس چیز کے لیے درخواست نہ کرو جس کے باب میں تمھیں کچھ علم نہیں اور میں تمھیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم جاہلوں میں سے نہ بنو۔ اس نے کہا کہ اے میرے رب، میں تیری پناہ مانگتا ہوں کہ تجھ سے کسی ایسی چیز کی درخواست کروں جس کے باب میں مجھے کوئی علم نہیں اور اگر تو میری مغفرت نہ کرے گا اور مجھ پر رحم نہ فرمائے گا تو میں نامرادوں میں سے ہو جاؤں گا۔ ارشاد ہوا اے نوح اترو، ہماری طرف سے سلامتی اور برکتوں کے ساتھ اپنے اوپر بھی اور ان امتوں پر بھی جو ان سے ظہور میں آئیں جو تمھارے ساتھ ہیں۔ اور ایسی امتیں بھی اٹھیں گی جن کو ہم بہرہ مند کریں گے پھر ان کو ہماری طرف سے ایک عذاب دردناک پکڑے گا۔ ۴۵-۴۸

یہ ماجرا غیب کی باتوں میں سے ہے جو ہم تم کو وحی کے ذریعہ سے سنا رہے ہیں، اس سے پہلے نہ تم ہی اس کو جانتے تھے اور نہ تمھاری قوم کے لوگ ہی، تو ثابت قدم رہو، انجام کار کی کامیابی خدا سے ڈرنے والوں ہی کا حصہ ہے۔ ۴۹

اور عاد کی طرف ہم نے ان کے بھائی ہود کو رسول بنا کر بھیجا۔ اس نے ان کو دعوت دی کہ اے میری قوم کے لوگو، اللہ ہی کی بندگی کرو، اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں۔ یہ تم محض افترا کر رہے ہو۔ اے میری قوم کے لوگو، میں اس پر تم سے کسی معاوضے کا طالب نہیں ہوں۔ میرا اجر تو بس اسی کے ذمے ہے جس نے مجھے پیدا کیا تو کیا تم سمجھتے نہیں؟ اور اے میری قوم کے لوگو،

اپنے رب سے اپنے گناہوں کی معافی چاہو پھر اس کی طرف رجوع کرو وہ تم پر خوب خوب، اپنا ابر کرم برسائے گا اور تمھاری قوت میں اضافہ پر اضافہ فرمائے گا اور مجرمانہ روگردانی کی روش اختیار نہ کرو۔ وہ بولے کہ اے ہود تم ہمارے پاس کوئی کھلی نشانی لے کر تو آئے نہیں اور ہم مجرد تمھارے کہنے سے تو اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں اور ہم ہرگز تمھیں ماننے والے نہیں۔ ہم تو یہی کہیں گے کہ تم پر ہمارے معبودوں میں سے کسی کی مار پڑی ہے۔ اس نے کہا میں اللہ کو گواہ ٹھہراتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ اس کے سوا جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو میں ان سے بالکل بری ہوں تو تم سب مل کر میرے خلاف چالیں چل دیکھو، پھر مجھے ذرا مہلت نہ دو۔ میں نے اللہ، اپنے اور تمھارے رب پر بھروسہ کیا، جتنے بھی جاندار ہیں ان کی پیشانی اسی کی گرفت میں ہے بے شک میرا رب نہایت سیدھی راہ پر ہے۔ پس اگر تم اعراض کر رہے ہو تو میں نے تمھیں وہ پیغام پہنچا دیا جو دے کر مجھے تمھاری طرف بھیجا گیا ہے۔ اور میرا رب تمھاری جگہ اب تمھارے سوا کسی اور قوم کو لائے گا اور تم اس کا کچھ بھی بگاڑ نہ سکو گے۔ میرا رب ہر چیز پر نگہبان ہے۔ اور جب ہمارا عذاب آدھمکا ہم نے ہود کو اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے، اپنے فضل خاص سے نجات بخشی۔ اور ہم نے ان کو ایک نہایت ہی سخت عذاب سے بچا یا۔ ۵۰-۵۸

اور یہ قوم عاد ہے۔ انھوں نے اپنے رب کی آیتوں کا انکار کیا اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی اور ہر جبار و سرکش کی بات کے پیچھے لگے اور اس دنیا میں بھی ان کے پیچھے لعنت لگا دی گئی اور قیامت کے روز بھی۔ سن لو کہ عاد نے اپنے رب کا انکار کیا، سن لو کہ ہلاکی ہو ہود کی قوم عاد کے لیے!! ۵۹-۶۰

اور قوم ثمود کی طرف ہم نے ان کے بھائی صالح کو رسول بنا کر بھیجا۔ اس نے دعوت دی

اے میری قوم کے لوگو اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں۔ اسی نے تم کو زمین سے پیدا کیا اور اس میں آباد کیا تو اس سے مغفرت مانگو، پھر اس کی طرف رجوع کرو۔ میرا رب قریب بھی ہے، قبول کرنے والا بھی۔ وہ بولے کہ صالح، اس سے پہلے تو ہمارے اندر تم بڑی امیدوں کے مرکز تھے۔ کیا تم ہمیں ان کی عبادت سے روکتے ہو جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے آئے! اور ہم تو اس چیز کے سبب سے جس کی تم ہمیں دعوت دے رہے ہو بڑی ہی سخت الجھن میں پڑ گئے ہیں۔ اس نے کہا، اے میری قوم کے لوگو، بتاؤ، اگر میں اپنے رب کی طرف سے ایک واضح دلیل پر ہوں اور اس نے اپنی جانب سے رحمت خاص سے بھی مجھے نوازا تو اگر میں اس کی نافرمانی کروں تو اللہ کی پکڑ کے وقت، کون میرا مددگار ہوگا۔ سو تم میری بربادی ہی میں اضافہ کروگے۔ ۶۱-۶۳

اور اے میری قوم کے لوگو، یہ اللہ کی اونٹنی ہے تمھارے لیے ایک نشانی تو اس کو چھوڑ دو کہ یہ اللہ کی زمین میں چرے چگے اور اس کو کوئی گزند نہ پہنچائیو ورنہ ایک قریبی عذاب تمھیں آ پکڑے گا تو انھوں نے اس کی کوچیں کاٹ دیں۔ تب اس نے کہا کہ اب تین دن اور اپنی بستی میں رس بس لو۔ یہ دھمکی جھوٹی نہیں ہونے کی۔ پس جب ہمارا حکم صادر ہوا تو ہم نے صالح کو اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے اپنے خاص فضل سے اس عذاب، اور اس دن کی رسوائی سے نجات بخشی۔ بے شک تمھارا رب ہی قوی اور غالب ہے اور ان لوگوں کو جنھوں نے ظلم کیا خدا کی ڈانٹ نے آ پکڑا اور وہ اپنے گھروں میں زمین سے چمٹے پڑے رہ گئے۔ گویا کبھی ان میں بسے ہی نہیں۔ سن لو ثمود نے اپنے رب کی ناشکری کی۔ سن لو کہ ہلاکی ہو ثمود کے لیے !! ۶۴-۶۸

اور ابراہیم کے پاس ہمارے فرستادے خوش خبری لے کر آئے۔ کہا سلامتی ہو۔ اس نے

بھی کہا سلامتی ہو۔ دیر نہیں گزری کہ اس نے ان کے آگے بھنا ہوا بچھڑا پیش کیا۔ پھر جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ اس کی طرف نہیں بڑھ رہے ہیں تو اس نے ان میں اجنبیت پائی اور ان کی طرف سے ایک خدشہ محسوس کیا۔ وہ بولے کہ تم کوئی اندیشہ نہ کرو، ہم تو قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ اور اس کی بیوی پاس کھڑی تھی وہ ہنسی پس ہم نے اس کو اسحاق کی خوش خبری دی اور اسحاق کے آگے یعقوب کی۔ وہ بولی کہ ہائے شامت! کیا اب میں بچہ جنوں گی جب میں خود بھی ایک بڑھیا ہوں اور یہ میرے شوہر بھی بوڑھے ہیں! یہ تو ایک نہایت ہی عجیب بات ہوگی! وہ بولے، کیا خدا کی بات پر تعجب! اللہ کی رحمت اور برکتیں نازل ہوں آپ پر اے اہل بیت نبی بے شک وہ سزاوار حمد و بزرگ ہے!! ۶۹ - ۷۳

تو جب ابراہیم کا خوف دور ہوا اور اس کو بشارت ملی تو وہ ہم سے قوم لوط کے بارے میں بحث کرنے لگا۔ بے شک ابراہیم نہایت ہی بردبار، دردمند اور اپنے رب کی طرف دھیان رکھنے والا تھا۔ اے ابراہیم یہ بحث چھوڑو، اب تمہارے رب کا حکم ہو چکا ہے اور ان پر ایک ایسا عذاب آنے والا ہے جو ٹالے نہ ٹالا جا سکے۔ اور جب ہمارے فرستادے لوط کے پاس پہنچے وہ ان کے سبب سے غمگین ہوا اور اس کا دل بھنچا اور بولا کہ یہ تو بہت ہی کٹھن دن ہے۔ ۷۴ - ۷۷

اور اس کی قوم کے لوگ جھپٹے ہوئے اس کے پاس پہنچے اور یہ پہلے سے بدکاریوں میں مبتلا تھے۔ اس نے کہا اے میری قوم کے لوگو، یہ میری بیٹیاں ہیں، وہ تمہارے لیے زیادہ پاکیزہ ہیں تو اللہ سے ڈرو اور میرے مہمانوں کے باب میں مجھے رسوا نہ کرو، کیا تم میں کوئی مرد معقول نہیں! وہ بولے کہ تمہیں تو معلوم ہی ہے کہ تمہاری بیٹیوں پر ہمارا کوئی حق نہیں اور تم خوب جانتے ہو جو کچھ ہم چاہتے ہیں۔ اس نے کہا کاش میرے پاس تم سے مقابلہ کی قوت ہوتی یا میں کسی طاقت ور

سہارے کی پناہ لے سکتا!! فرستادوں نے کہا اے لوط ہم تو تمہارے رب کے فرستادے ہیں، یہ ہرگز تم تک نہیں پہنچ سکتے تو تم اپنے اہل و عیال کو لے کر کچھ رات رہے نکل جاؤ اور تم میں سے کوئی مڑ کے بھی نہ دیکھے۔ مگر تمہاری بیوی اس سے مستثنیٰ ہے، اس پر بھی وہی آفت آنی ہے جو ان پر مقدر ہو چکی ہے۔ ان کے عذاب کا وقت مقررہ صبح ہے، کیا صبح قریب نہیں! ۸۰، ۸۱

پس جب آیا ہمارا عذاب تو ہم نے اس بستی کو یک قلم تلپٹ کر کے رکھ دیا اور اس پر سنگِ گل کی بارش کی، تہ بہ تہ، تمہارے رب کے پاس نشان لگائے ہوئے، اور وہ ان ظالموں سے کچھ دور نہیں۔ ۸۲۔۸۳

اور مدین کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیب کو بھیجا۔ اس نے دعوت دی کہ اے میری قوم کے لوگو! اللہ ہی کی بندگی کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اور ناپ اور تول میں کمی نہ کرو۔ میں تمہیں فارغ البالی کی حالت میں دیکھ رہا ہوں اور تم پر ایک گھیرنے والے دن کے عذاب کا اندیشہ رکھتا ہوں۔ اور اے میری قوم کے لوگو! ناپ اور تول کو پورا رکھو پورے عدل کے ساتھ اور لوگوں کی چیزوں میں ان کی حق تلفی نہ کرو اور زمین میں فساد پھیلانے والے بن کر نہ ابھرو۔ اللہ کا بخشا ہوا منافع ہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم سچے ایمان والے ہو۔ اور میں تم پر نگران نہیں ہوں۔ وہ بولے کہ اے شعیب، کیا تمہاری نماز تمہیں یہ سکھاتی ہے کہ ہم ان چیزوں کو چھوڑ بیٹھیں جن کی ہمارے باپ دادا پرستش کرتے آئے یا یہ کہ ہم اپنے مال میں اپنی مرضی کے مطابق تصرف نہ کریں؟ بس تمہیں تو ایک دانشمند اور راست رو رہ گئے ہو! اس نے کہا اے میری قوم کے لوگو، بتاؤ اگر میں اپنے رب کی جانب سے ایک واضح دلیل پر ہوں (؟) اس نے مزید اپنی جانب سے مجھے رزقِ حسن سے بھی نوازا ہو (تو اس کے سوا میں تمہیں اور کس چیز کی دعوت دوں) اور میں یہ نہیں چاہتا کہ تمہاری مخالفت

کرکے وہی چیز خود اختیار کروں جس سے تمھیں روک رہا ہوں۔ میں تو صرف اصلاح چاہتا ہوں، جس حد تک کر سکوں۔ اور مجھے توفیق تو اللہ ہی کی مدد سے حاصل ہوگی۔ اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔ اور اے میری قوم کہیں میری ضد تمھارے لیے اس امر کا باعث نہ بن جائے کہ تم پر بھی اسی طرح کی آفت نازل ہو جس طرح کی آفت قوم نوح یا قوم ہود یا قوم صالح پر نازل ہوئی اور قوم لوط تو تم سے کچھ دور بھی نہیں۔ اور اپنے رب سے مغفرت مانگو پھر اس کی طرف رجوع کرو۔ بے شک میرا رب، نہایت مہربان اور بڑی محبت کرنے والا ہے۔ وہ بولے کہ اے شعیب، جو باتیں تم کہتے ہو اس کا بہت سا حصہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا اور ہم تو تم کو اپنے اندر ایک کمزور وجود خیال کرتے ہیں اور اگر تمھارا خاندان نہ ہوتا تو ہم تو تم کو سنگسار کر دیتے اور تم ہم پر کچھ بھاری نہیں۔ اس نے کہا اے میری قوم، کیا میرا خاندان تم پر اللہ سے زیادہ بھاری ہے اور اس کو تو تم نے پس پشت ڈال رکھا ہے۔ میرا رب جو کچھ تم کر رہے ہو سب کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور اے میری قوم کے لوگو تم اپنے طور پر کرو جو کر رہے ہو، میں بھی اپنے طور پر کر رہا ہوں، تم عنقریب جان لوگے کہ کس پر وہ عذاب آتا ہے جو اس کو رسوا کر کے رکھ دیتا ہے اور کون ہے جو جھوٹا ہے اور انتظار کرو میں بھی تمھارے ساتھ منتظر ہوں۔ اور جب ہمارا عذاب آیا ہم نے شعیب کو اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے اپنی رحمت سے نجات دی اور جن لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم ڈھائے ان کو ڈانٹ نے آپکڑا پس وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ گویا کہ کبھی ان میں بسے ہی نہ تھے۔ ہاں، ہلاک ہوئے مدین جس طرح دفع ہوئے ثمود!! ۸۴-۹۵

اور ہم نے موسیٰ کو فرعون اور اس کے اعیان کے پاس اپنی آیات اور ایک روشن نشانی کے ساتھ رسول بنا کر بھیجا تو انھوں نے فرعون ہی کی بات مانی حالانکہ فرعون کی بات راست نہ تھی۔

وہ قیامت کے روز اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا اور ان کو دوزخ میں لے جا اتارے گا اور کیا ہی برا گھاٹ ہوگا جس پر یہ اتریں گے! اور اس دنیا میں ان کے پیچھے لعنت لگا دی گئی اور قیامت کے دن بھی۔ کیا ہی برا انعام ہے جو دیا گیا! ۹۶-۹۹

۳۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِہٖٓ ز اِنِّیْ لَکُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ (۲۵)

نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ کا مفہوم

حضرت نوحؑ کی سرگزشت کی طرف اجمالی اشارہ پچھلی سورہ میں بھی —— آیات ۷۱ - ۷۳ —— گزر چکا ہے۔ اس سورہ میں اس اجمال کی تفصیل آ رہی ہے۔ 'نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ' (کھلا ڈرانے والا) میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ رسول جس قہر و عذاب سے ڈراتا ہے اس کی نوعیت قیاسات، اور اندازوں پر مبنی اشارات و کنایات کی نہیں ہوتی بلکہ ایک واضح اور قطعی خبر اور اعلان کی ہوتی ہے اس لیے کہ اس کی بنیاد اولاً تو وحی الٰہی پر ہوتی ہے ثانیاً یہ اس سنت الٰہی کا تقاضا بھی ہے جو رسول کی تکذیب کی صورت میں لازماً ظاہر ہوتی ہے۔ اس قطعیت، کا اثر قدرتی طور پر اس کے الفاظ اور لب و لہجہ میں بھی نمایاں ہوتا ہے۔ وہ آنے والے خطرے کا اس طرح اعلان کرتا ہے گویا اپنی دونوں آنکھوں سے اس کو دیکھ رہا ہے۔ یہاں لفظ 'مُبِیْن' میں ایک لطیف تلمیح بھی ہے اس کو بھی نگاہ میں رکھیے۔ عرب میں دستور رہا ہے کہ ہر قوم کے لوگ کسی بلند ٹیلہ یا پہاڑی پر دیدبان بٹھاتے جہاں ہر وقت ایک نگران مقرر رہتا جس کا کام یہ ہوتا کہ جب وہ دیکھتا کہ کسی طرف سے حملہ آوروں کی کوئی جماعت اس کی قوم پر حملہ کیا چاہتی ہے تو وہ اپنے کپڑے پھاڑ کر ننگا ہو جاتا اور 'وا صباحا!' کا نعرہ لگاتا۔ یہ پوری قوم کے لیے الارم ہوتا اور سب تلواریں سونت سونت کر مدافعت کے لیے باہر نکل آتے۔ اس کو 'نذیر عریاں' کہتے تھے۔ خدا کے رسول بھی اپنی قوم کو آنے والے عذاب سے آگاہ کرنے کے لیے آئے اور انھوں نے بالکل اس طرح لوگوں کو اس سے آگاہ کیا گویا وہ عقب سے نمودار ہی ہونے والا ہے اس وجہ سے قرآن میں ان کے لیے 'نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ' کے الفاظ استعمال ہوئے۔

اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰہَ ط اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍ اَلِیْمٍ (۲۶)

حضرت نوحؑ کی دعوت

یہ حضرت نوحؑ کی دعوت کا نقطۂ آغاز ہے۔ پیچھے مڑ کر اس سورہ کی آیت ۲ پر نظر ڈالیے تو معلوم ہوگا کہ بعینہٖ اسی نقطہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی دعوت کا آغاز فرمایا۔ پھر مزید آگے بڑھیے تو معلوم ہوگا کہ جس قسم کا معارضہ قوم نوح نے حضرت نوحؑ کے ساتھ کیا اسی قسم کا معارضہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم نے آپ کے ساتھ کیا۔ حالات و واقعات کی یہ مطابقت ہی ہے جس

کو دکھانے کے لیے یہ سرگزشتیں سنائی جا رہی ہیں کہ نبیؐ اور اس کی قوم دونوں کے سامنے ماضی کے آئینے میں ان کے حاضر اور مستقبل کا پورا نقشہ آجائے۔ تاریخ کی جو قدر و قیمت، ہے وہ اسی پہلو سے ہے۔ اگر یہ پہلو نگاہوں سے اوجھل ہو جائے تو تاریخ کی حیثیت مجرد داستان سرائی کی رہ جاتی ہے۔

فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍۭ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ (۲۷)

قوم نوحؑ کے تین معارضے

لفظ 'ملاء' کی تحقیق ہم دوسرے مقام میں بیان کر چکے ہیں کہ اس سے مراد کسی قوم کے لیڈر، سرپنچ، زعماء اور اکابر ہوتے ہیں۔ چونکہ بگڑی ہوئی قوم کے سارے فساد کی جڑ یہی ہوتے ہیں اس وجہ سے انبیاء کی دعوتِ اصلاح سے سب سے زیادہ پرخاش انہی کو رہی ہے۔ قوم نوحؑ کے ان لیڈروں نے حضرت نوحؑ کی دعوت کے جواب میں بیک وقت تین معارضے پیش کیے۔

ایک یہ کہ 'مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا'، یعنی تم تو ہمارے ہی جیسے انسان ہو۔ اگر خدا کو کوئی رسول بھیجنا ہی تھا تو وہ کسی فرشتے کو یا کسی اور برتر مخلوق کو رسول بنا کر بھیجتا، یا کم از کم یہ کہ کسی فرشتے کو تمہارے ساتھ گواہ بنا کر بھیجتا۔ ہمارے ہی جیسے ایک انسان کو ہماری طرف رسول بنا کر بھیجنے کے کیا معنی ہیں؟ پیچھے مڑ کر آیت ۱۲ پر ایک نظر ڈال کر دیکھ لیجیے۔ بعینہٖ یہی بات قریش کے لیڈروں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے جواب میں کہی۔

دوسرا یہ کہ 'وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ' یعنی تمہارے پیرو ہمارے اندر کے صرف وہ لوگ بنے ہیں جو رذالے اور ادنیٰ درجہ کے لوگ ہیں، جن کی سوسائٹی میں کوئی عزت و وقعت نہیں، جو معاملات پر غور کرنے اور ان کے نتائج و عواقب کا تجزیہ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ بس تمہاری بات انھوں نے سنی اور بے سوچے سمجھے تمہارے پیچھے لگ گئے۔ 'بَادِيَ الرَّاْيِ' کو کشاف نے ظرف کے مفہوم میں لیا ہے اور اس کی وضاحت یوں کی ہے 'وقت حدوث اوّل رايهم'، یعنی جو بات دل میں باول وہلہ آگئی وہ کر گزرے، اس پر غور کرنے کی زحمت انھوں نے نہیں اٹھائی۔

تیسرا یہ کہ 'وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ' یعنی اگر تم خدا کے ایسے ہی چہیتے ہو کہ اس نے تم کو رسول بنا کر بھیجا تو چاہیے تو یہ تھا کہ تم پر اور تمہارے ساتھیوں پر من برستا، تم خزانوں کے مالک ہوتے اور خدم و حشم تمہارے ہم رکاب چلتے لیکن ہم تو اپنے مقابل میں تمہارے اور تمہارے ساتھیوں کو کسی پہلو سے مرجح نہیں دیکھتے بلکہ اس کے برعکس یہ دیکھتے ہیں کہ ہمارا حال تمہارے اور تمہارے ساتھیوں کے مقابل میں بدرجہا بہتر ہے۔ اس وجہ سے ہم تو یہی سمجھتے ہیں کہ تم جھوٹ موٹ کی ہم پر دھونس جما رہے ہو۔

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ (۲۸)

معارضات کا جواب

اب اس آیت میں اور آگے کی آیات میں مذکورہ بالا معارضات میں سے ایک ایک کا جواب آرہا ہے۔ حضرت نوحؑ نے پہلی بات تو یہ فرمائی کہ میں جو کچھ تمہارے سامنے پیش کر رہا ہوں اس کی بنیاد دو چیزوں پر

ہے۔ایک تو اس نورِ فطرت (بینہ) پر جو میرے اندر پہلے سے موجود تھا اور دوسرے اس وحی الٰہی (رحمت) پر جس سے میرے رب نے مجھے نوازا۔ اگر تمھارے اندر بھی فطرت کی وہ روشنی موجود ہوتی جو میرے اندر ہے تب تو میری یہ دعوت تمھیں خود اپنے دل کی آواز معلوم ہوتی اور تم اس کو اللہ کی رحمت سمجھ کر قبول کرتے لیکن مشکل یہ ہے کہ تم نے اپنی ناشکریوں اور بداعمالیوں سے اپنی فطرت کے نور کو گل کر دیا ہے جس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ قدرت کے قانون کے تحت تمھارے دل تاریک کر دیے گئے ہیں اور ان کے اندر کسی ہدایت کو قبول کرنے کی صلاحیت سرے سے باقی ہی نہیں رہ گئی ہے۔ اب یہ کس طرح ممکن ہے کہ میں تمھارے اوپر ایک ایسی چیز چپکا دوں جس کے چپکنے کے لیے تمھارے اندر سرے سے کوئی لوٹ باقی ہی نہیں رہ گیا ہے اور وہ بھی اس حال میں کہ تم اس کے نام سے بھی بیزار ہو۔ پیچھے آیت ۰ کے تحت ہم جو کچھ لکھ آئے ہیں ایک نظر اس پر بھی ڈال لیجیے۔

وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ (۲۹)

یہ حضرت نوحؑ کی طرف سے اپنی قوم کے سرداروں کی رعونت کا جواب ہے کہ اگر تم میری بات سننے اور سمجھنے کے لیے تیار نہیں ہو تو اچھی طرح سمجھ لو کہ اس میں میرا نقصان کوئی نہیں ہے، سرتاسر تمھارا اپنا ہی نقصان ہے۔ میں جو کچھ تمھارے آگے پیش کر رہا ہوں اگر میں اس کے عوض میں تم سے کسی اجرت کا طالب ہوتا تب تو تمھاری اس بیزاری کی مجھے پروا ہوتی کہ تم نے میرے مال کی قدر نہیں کی اور میری دکان بیٹھ جائے گی۔ لیکن جب میں کوئی تجارت نہیں کر رہا ہوں بلکہ جس طرح مفت پایا ہے اسی طرح مفت بانٹ رہا ہوں تو تم اگر اس کو قبول نہ کرو گے تو خود ہی خسارہ میں رہو گے۔ مجھے تو اس کا جو اجر ملنا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اور وہ مجھے مل کے رہے گا۔ تمھارے رد و قبول سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ رہی یہ بات کہ میری دعوت جن لوگوں نے قبول کی ہے وہ تمھاری نگاہوں میں حقیر و رذیل لوگ ہیں اس وجہ سے تمھیں میرے قرب سے عار ہے تو میں تمھاری دلداری کے لیے ان کو اپنے پاس سے دھتکارنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ وہ اپنے رب پر ایمان لائے ہیں اور کل کو اپنے اسی ایمان کے ساتھ اپنے رب کے ساتھ ملنے والے ہیں۔ اگر میں آج انھیں تمھاری خاطر داری میں اپنے پاس سے دھتکاروں تو کل کو میں خدا کو کیا منہ دکھاؤں گا؟ شرافت اور رذالت کا اصلی فیصلہ تو خدا کے ہاں ہونا ہے، وہی بتائے گا کہ اس کی نگاہوں میں کون شریف ہے اور کون رذیل۔ میری نگاہوں میں تو تمھی لوگ جہالت میں مبتلا ہو۔

وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ (۳۰)

یہ اوپر والی آیت کی مزید وضاحت ہے کہ اگر میں تمھاری ناز برداری میں اللہ پر ایمان لانے والے ان غریبوں کو دھتکاروں تو کل کو خدا کی پکڑ سے مجھے کون بچانے والا بنے گا؟ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ، یعنی مال و جاہ کے غرور میں تم ایسے پاگل ہو گئے ہو کہ تم میں سے کسی کو معاملے کے اس پہلو پر غور کرنے کی توفیق ہی نہیں ہوتی۔

وَلَآ اَقُوۡلُ لَـكُمۡ عِنۡدِىۡ خَزَآٮِٕنُ اللّٰهِ وَلَاۤ اَعۡلَمُ الۡغَيۡبَ وَلَاۤ اَقُوۡلُ اِنِّىۡ مَلَكٌ وَّلَاۤ اَقُوۡلُ لِلَّذِيۡنَ تَزۡدَرِىۡۤ اَعۡيُنُكُمۡ لَنۡ يُّؤۡتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيۡرًا‌ ؕ اَللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا فِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ ۖۚ اِنِّىۡۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيۡنَ ‏(۳۱)

یہ مخالفین کے سارے معارضات کا اکٹھا جواب ہے کہ اگر تم مجھ میں کوئی بات مافوق بشریت نہیں پاتے تو میں نے بشریت سے بالاتر ہونے کا دعویٰ کب کیا ہے؟ میں نے کب کہا ہے کہ میرے پاس خدا کے خزانوں کی کنجیاں ہیں یا میں غیب دان ہوں یا کوئی فرشتہ ہوں۔ میں ان باتوں میں سے کسی بات کا بھی مدعی نہیں ہوں۔ میں تو صرف خدا کا رسول ہوں اور جس پیغام کے ساتھ اس نے مجھے تمھاری طرف بھیجا ہے وہ میں تمھیں سنا رہا ہوں۔ میرے ساتھی غریب و نادار لوگ ہیں اس وجہ سے تم ان کو حقیر سمجھتے ہو اور چونکہ تمھاری نگاہوں میں ساری قدر و قیمت دنیا اور اسباب دنیا ہی کی ہے جو تمھیں حاصل ہے، اس وجہ سے تم یہ سمجھتے ہو کہ اگر اس دعوت میں، جو میں دے رہا ہوں، کوئی پہلو خیر کا ہوتا تو بھلا یہ کس طرح ممکن تھا کہ یہ سدا کے بھوکے ننگے لوگ تو اس سے فیض یاب ہو جاتے اور تم جو اپنے زعم میں سارے خیر و فضل کے وارث و مورث ہو اس سے محروم رہ جاتے! اگر تمھارا گھمنڈ یہ ہے کہ جب انھیں دنیا نہیں ملی تو خدا ان کو کوئی اور خیر و فضل کس طرح دے سکتا ہے تو میں تمھارے اس گھمنڈ کی تائید کرنے کے لیے تیار نہیں۔ دنیا تو ہر اہل و نا اہل کو مل جاتی ہے لیکن دین کی نعمت ہمیشہ انہی کو نصیب ہوتی ہے جن کے دلوں میں اس کے لیے صلاحیت ہوتی ہے اور جن کی فطرت مسخ ہونے سے محفوظ ہوتی ہے۔ یہ دل اور فطرت کا حال اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ اس وجہ سے اگر میں ان کے باب میں تمھارے گمان کی تائید کروں تو میں بھی اپنے آپ کو ظالموں کا ساتھی بنا لوں۔

قَالُوۡا يٰـنُوۡحُ قَدۡ جَادَلۡتَنَا فَاَكۡثَرۡتَ جِدَالَـنَا فَاۡتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنۡ كُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِيۡنَ‏ ۞ قَالَ اِنَّمَا يَاۡتِيۡكُمۡ بِهِ اللّٰهُ اِنۡ شَآءَ وَمَاۤ اَنۡتُمۡ بِمُعۡجِزِيۡنَ‏ (۳۲-۳۳)

قوم نوح کا مطالبہ عذاب

جب قوم نوح کے اعیان بحث و مناظرہ کے میدان میں بالکل پسپا ہو گئے، حضرت نوحؑ نے ہر پہلو سے ان پر حجت تمام کر دی اور ان کے لیے کوئی راہ فرار باقی نہیں چھوڑی تو آخری مامن انھوں نے اپنے لیے یہ خیال کیا کہ ان سے اس عذاب کے لانے کا مطالبہ کریں جس کی وہ خبر دے رہے تھے۔ چنانچہ انھوں نے کہا کہ بحث و مناظرہ تو اے نوح! بہت ہو چکا، اب تو بس اگر تم سچے ہو تو وہ عذاب لاؤ جس کی دھمکی پر دھمکی سنا رہے ہو۔ حضرت نوحؑ نے جواب میں فرمایا کہ عذاب کا لانا تو اللہ کے اختیار میں ہے، وہی جب چاہے گا لائے گا لیکن یہ یاد رکھو کہ اس طنطنہ کے ساتھ جو عذاب کا مطالبہ کر رہے ہو تو جب عذاب آدھمکے گا اس وقت کوئی خدا کے قابو سے باہر نہ نکل سکے گا۔

وَلَا يَنۡفَعُكُمۡ نُصۡحِىۡۤ اِنۡ اَرَدْتُّ اَنۡ اَنۡصَحَ لَـكُمۡ اِنۡ كَانَ اللّٰهُ يُرِيۡدُ اَنۡ يُّغۡوِيَكُمۡ‌ ؕ هُوَ رَبُّكُمۡ وَاِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ (۳۴)

حضرت نوحؑ کا

دعوت و نصیحت اور تذکیر و موعظت کا آخری مرحلہ یہ ہوتا ہے کہ رسول اپنا فرض ادا کر کے اپنی سبکدوشی کا اعلان کرتا ہے اور اپنے

جھٹلانے والوں کو ان کے اس انجام کے حوالے کرتا ہے جو ان کے لیے خدا کی طرف سے مقدر ہو چکا ہوتا ہے یہ بات حضرت نوحؑ نے اسی مرحلہ میں فرمائی ہے کہ اب تم خدا کے قانون کی زد میں آ چکے ہو اور اپنے اعمال کے سبب سے سزاوار ہو کہ خدا تمھیں گمراہی کی راہ پر چلنے کے لیے چھوڑ دے تو میں لاکھ تمھیں نصیحت اور موعظت سناؤں میری نصیحت و موعظت کچھ کارگر نہیں ہو سکتی۔ اب تمھارا معاملہ اللہ کے حوالہ ہے، وہی تمھارا رب ہے اور اسی کے آگے تمھاری پیشی ہونی ہے۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ط قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ (۳۵)

حضرت نوحؑ کا اعلان براءت

اس آیت میں بعض لوگوں نے مخاطب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سمجھا ہے اور اس کو حضرت نوحؑ کی سرگزشت کے درمیان ایک التفات کی حیثیت دی ہے۔ اگرچہ اس کے التفات ہونے کا بھی ایک محل ہے لیکن ہمارے نزدیک، جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا، یہ دعوت و موعظت کے آخری مرحلہ میں اعلان براءت کی آیت ہے۔ اس آیت میں حضرت نوحؑ کو ہدایت ہوئی کہ اگر تمھاری قوم کے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ جو کچھ تم انھیں بتا رہے ہو یہ سب تمھاری اپنی ہی گھڑی ہوئی باتیں ہیں جن کو تم جھوٹ موٹ خدا کی طرف منسوب کر رہے ہو تو اب یہ بحث بند کر دو اور ان سے کہہ دو کہ اگر یہ سب کچھ میرا افترا ہے تو اس جرم کی ذمہ داری مجھ پر ہے اور اگر یہ حق ہے اور تم جان بوجھ کر اس سے بغاوت کر رہے ہو تو میں تمھارے اس جرم کی ذمہ داری سے اپنی براءت کا اعلان کرتا ہوں —— ہم دوسرے مقام میں واضح کر چکے ہیں کہ پیغمبر کے اعلان براءت کے بعد قوم کے لیے فیصلہ کن گھڑی آجاتی ہے۔

وَاُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۞ وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ (۳۶-۳۷)

عدالت الٰہی کا ظہور

مذکورہ بالا اعلان براءت کے بعد حضرت نوحؑ کو وحی کے ذریعے سے اطلاع دے دی گئی کہ تمھاری قوم میں جن لوگوں کے اندر تمھاری دعوت ایمان قبول کرنے کی صلاحیت تھی وہ ایمان لا چکے، اب کوئی اور ایمان لانے والا باقی نہیں رہا ہے۔ دودھ میں جتنا مکھن تھا وہ سب نکالا جا چکا ہے، اب جو بچ رہا ہے وہ صرف چھاچھ ہے، تو تم خاطر جمع رکھو، یہ جو کچھ اب تک کرتے رہے ہیں اس سے دل شکستہ اور ملول نہ ہو، اب سنت الٰہی کے مطابق ان کے لیے خدا کی عدالت کے ظہور کا وقت آ گیا ہے اور فیصلۂ الٰہی یہ ہے کہ یہ سب غرق کر دیے جائیں گے تو تم اپنے اور اپنے اہل ایمان ساتھیوں کے بچاؤ کے لیے ہماری نگرانی میں اور ہماری ہدایات کے تحت ایک کشتی بناؤ اور خبردار ان ظالموں کے باب میں اب ہم سے کچھ نہ کہیو، اب یہ لازماً غرق ہو کے رہیں گے۔

وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ قف وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ط قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ (۳۸)

کشتی پر قوم نوحؑ کی پھبتیاں

'وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ' جعل يصنع الفلك عربی زبان کے معروف اسلوب کے مطابق مضارع سے پہلے فعل ناقص حذف ہو گیا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق کشتی بنانی شروع کر دی۔ ان کی قوم کے متکبرین

جو عذاب کی دھمکی ہی کو سرے سے نعوذ باللہ لاف زنی سمجھتے تھے، انھوں نے جب دیکھا کہ عذاب سے بچاؤ کے لیے کشتی بھی بننی شروع ہو گئی ہے تو ظاہر ہے کہ انھوں نے اس کو خلل دماغ ہی پر محمول کیا ہو گا اور جب جب پاس سے گزرتے ہوں گے خوب خوب پھبتیاں چست کرتے رہے ہوں گے اور کون اندازہ کر سکتا ہے کہ ان پھبتیوں کا حضرت نوحؑ اور ان کے ساتھیوں کے دلوں پر کیا اثر پڑتا رہا ہو گا۔ لیکن انبیاء اور ان کے ساتھیوں کو اس طرح کے امتحانات سے گزرنا ہی پڑتا ہے۔ اسی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جس غیب سے وہ لوگوں کو ڈراتے ہیں اس پر ان کو کس درجے کا یقین ہوتا ہے۔ گویا وہ اس کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھ رہے ہوتے ہیں، اگرچہ اپنے مخالفوں کو اس کو دکھا نہیں سکتے۔

ایک خاص اسلوب بیان

'فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ' سے یہ مراد نہیں ہے کہ ہم بھی اسی طرح کی مبتذل پھبتیاں تم پر چست کریں گے جس طرح کی پھبتیاں تم چست کر رہے ہو۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ آج جس طرح ہمارا یہ فعل تمھاری نگاہوں میں سامان مضحکہ ہے اسی طرح کل تمھارا انجام ہمارے لیے موجب ازدیاد ایمان و اطمینان ہو گا۔ آج تم ہنس رہے ہو کل کو تم روؤ گے اور ہم نصرت الٰہی کے ظہور پر مسرور و مبتہج اور اپنے رب کے شکر گزار ہوں گے۔ بعض مرتبہ جملہ میں صوتی ہم آہنگی کے اقتضا سے لفظ ایک ہی استعمال ہوتا ہے لیکن اس کا مفہوم الگ الگ ہوتا ہے، جیسے کہ 'دِنَّا هُمْ كَمَا دَانُوا' میں ہے۔ کسی کی مصیبت پر خوش ہونا عام حالات میں تو اچھی بات نہیں ہے لیکن جن لوگوں پر اس طرح حجت تمام ہو چکی ہو جس طرح حضرت نوحؑ اور ان کے ساتھیوں نے اپنی قوم پر تمام کی ان پر عذاب الٰہی کا نزول حق کی فتح مندی اور باطل کی ہزیمت کا ایک یادگار واقعہ ہوتا ہے جس پر اہل ایمان کا خوش ہونا عین مقتضائے ایمان ہوتا ہے۔

فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ (۳۹)

'عذاب مقیم' کا مفہوم

یعنی ابھی تو تم ہمارا مذاق اڑا رہے ہو اور ہماری اس تیاری کو خلل دماغ پر محمول کر رہے ہو لیکن عنقریب وہ وقت آنے والا ہے جب تم دیکھ لو گے کہ رسوا کر دینے والا اور چمٹ جانے والا عذاب کن پر نازل ہوتا ہے۔ یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ عذاب دو قسموں کا ہوتا ہے۔ ایک تو وہ عذاب ہوتا ہے جس کا مقصد غافلین و منکرین کو جگانا اور جھنجھوڑنا ہوتا ہے تاکہ وہ داعی کی بات پر کان دھریں اور جس خطرے سے وہ ان کو آگاہ کر رہا ہے اس کے آثار دیکھ کر اگر متنبہ ہونا چاہیں تو متنبہ ہو جائیں۔ دوسرا وہ عذاب ہوتا ہے جو کامل اتمام حجت کے بعد رسول کے جھٹلانے والوں کی جڑ کاٹ دینے کے لیے نازل ہوتا ہے۔ یہ فیصلہ کن عذاب ہوتا ہے جو ان لوگوں کو ہمیشہ کے لیے رسوا کر کے رکھ دیتا ہے جو رسول کے انذار کا مذاق اڑاتے اور اس کی تنبیہات کو خلل دماغ پر محمول کرتے ہیں۔ یہ محض ایک جھونکا نہیں ہوتا جو آیا اور گزر گیا بلکہ جس قوم اور جس بستی پر نازل ہوتا ہے وہیں ڈیرے ڈال دیتا ہے اور اس کی عبرت انگیز سرگزشت آثار اور کھنڈرات کی شکل میں بھی اور تاریخ کے صفحات میں بھی محفوظ ہو جاتی ہے تاکہ آنے والی نسلیں بھی ان کے انجام سے سبق حاصل کریں۔ نیز یہی عذاب دیباچہ بن جاتا ہے اس ابدی عذاب کا جس سے ان کو آخرت میں سابقہ پیش آئے گا۔

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَ فَارَ التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَ اَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَ مَنْ اٰمَنَ ؕ وَ مَاۤ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۴۰﴾

قوم نوح کے عذاب کی نوعیت

'فار یفور' کے معنی جوش مارنے کے ہیں۔ یہ لفظ پکتی ہوئی ہانڈی کے جوش مارنے اور ابلنے کے لیے بھی آتا ہے اور بھڑکتے ہوئے تنور کے جوش مارنے کے لیے بھی۔ یہاں 'فَارَ التَّنُّوْرُ' کا محاورہ بطریق استعارہ اس سائیکلونی طوفان کی تعبیر کے لیے استعمال ہوا ہے جو قوم نوح پر آیا، جس سے سخت بارش بھی ہوئی اور آس پاس کے سمندروں کا پانی بھی ابل پڑا۔ حضرت استاذ رحمۃ اللہ علیہ، سورۂ ذاریات کی تفسیر میں، قوم نوحؑ کے عذاب کی نوعیت واضح کرتے ہوئے آخر میں خلاصۂ بحث یوں تحریر فرماتے ہیں۔

"اس تفصیل سے یہ حقیقت واضح ہوئی کہ قوم نوح پر تند اور چکردار ہوا کا طوفان آیا جس سے سخت بارش ہوئی، پاس کے سمندر کا پانی ابل پڑا اور ہر طرف سے موجیں اچھلنے لگیں۔ اس طوفان کے اندر نوح علیہ السلام کا سفینہ کوہ جودی پر جا ٹکا۔" (تفسیر سورہ ذاریات انفراہی)

'امر' سے مراد اس آیت میں بھی اور آگے آیت ۴۳ میں بھی وہ عذاب ہے جو حکم الٰہی سے ظہور میں آیا۔ فرمایا کہ جب عذاب آیا اور طوفان ابل پڑا، ہم نے نوح کو حکم دیا کہ ہر چیز میں سے نر و مادہ دو دو کو اپنے اہل و عیال کو اور جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کو اس کشتی میں سوار کرا لو۔

من کل کا مفہوم

'مِنْ کُلٍّ' کی تعمیم سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ ہوام و حشرات اور کیڑے مکوڑے سب اس میں شامل ہوں بلکہ یہ لفظ معہود ذہنی کو پیش نظر رکھ کر بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس کی متعدد مثالوں کی طرف ہم پیچھے اشارہ کرتے آئے ہیں اس وجہ سے اس سے مراد وہ جانور ہیں جو اس وقت تک انسان کے تصرف میں آچکے تھے اور اس کی مختلف ضروریات میں کام آرہے تھے۔

'الا من سبق' کے استثناء کی نوعیت

'اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ' یعنی تمہارے اہل میں سے وہ لوگ اس میں شامل نہیں ہیں جن کے باب میں خدا کا فیصلہ پہلے ہی صادر ہو چکا ہے۔ اس فیصلہ سے مراد وہ فیصلہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے شیطان کو روز اول ہی اس کے الٹی میٹم کے جواب میں سنا دیا تھا کہ جنوں اور انسانوں میں سے جو تیری پیروی کریں گے میں ان سب کو جہنم میں بھر دوں گا۔ مطلب یہ ہے کہ جو اس حکم ازلی کی زد میں آچکے ہیں وہ تو اس میں سوار ہونے سے محروم رہیں گے باقی کو اس میں سوار کرا لو۔

ایمان سے محروم اکثریت گندگی کا ڈھیر ہے

'وَمَاۤ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِيْلٌ' سے اس حقیقت کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ یہ ہولناک طوفان تمام موجود انسانوں کی عظیم اکثریت کو بہا لے گیا صرف تھوڑے سے لوگ، جو حضرت نوحؑ پر ایمان لائے تھے، اس سے محفوظ رہے۔ اس سے اللہ جل شانہٗ کی بے نیازی کا بھی اظہار ہوتا ہے کہ اس کی نگاہوں میں وہ اکثریت گندگی کا ایک ڈھیر ہے جو ایمان سے محروم ہے، وہ اس گندگی سے اپنی زمین کو پاک ہی دیکھنا پسند کرتا ہے اور محض اس بنیاد پر کہ اس کی تعداد زیادہ ہے اپنی زمین کی پشت پر اس کو لادے رکھنا پسند نہیں کرتا۔ ساتھ ہی اہل ایمان

کے لیے اس کی بے پایاں رحمت کا بھی اظہار ہوتا ہے کہ ہر چند ان کی تعداد کتنی ہی کم ہو، لیکن خدائے رؤف و رحیم ان جواہر ریزوں کی ہر حال میں اپنے دامن رحمت میں حفاظت فرماتا ہے یہاں تک کہ طوفان نوح بھی ان کو کوئی گزند نہیں پہنچا سکتا۔ اس پہلو سے اس ٹکڑے میں قریش کی مغرور اکثریت کے لیے وعید بھی ہے اور ان کے اندر کے ان قلیل التعداد اور مظلوم مسلمانوں کے لیے عظیم پیغام تسلی بھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے تھے اور اس دور میں قریش کے ظلم وستم کے ہدف بنے ہوئے تھے۔

وَقَالَ ارْكَبُوا فِيهَا بِسْمِ اللَّهِ مَجْرِىٰهَا وَمُرْسٰهَا ۚ إِنَّ رَبِّي لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ (۴۱)

مومن کا مرکز نگاہ

اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق حضرت نوحؑ نے اپنے ساتھیوں کو کشتی میں سوار ہو جانے کی دعوت دی اور پہلا کلمہ جو اس موقع پر ان کی زبان سے نکلا وہ 'بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرِىٰهَا وَمُرْسٰهَا... الاٰیۃ' ہے۔ یہ کلمہ اس حقیقت کی تعبیر ہے کہ اسباب ووسائل بجائے خود کتنی ہی اہمیت کیوں نہ رکھتے ہوں لیکن مومن کا اصلی اعتماد اسباب ووسائل پر نہیں بلکہ خدائے رحمان ورحیم کی رحمت وعنایت پر ہوتا ہے۔ اس کی عنایت شامل حال ہو تو متلاطم ومتلاطم سمندر کے اندر لکڑی کا ایک ٹوٹا ہوا تختہ بھی آدمی کے لیے سہارا بن جاتا ہے۔ اور اگر یہ عنایت شامل حال نہ ہو تو عظیم الشان ٹیٹینک (Titanic) بھی چشم زدن میں موجوں کا لقمہ بن جاتا ہے اور سائنس کی ساری کارفرمائیاں بے حقیقت ثابت ہوتی ہیں۔ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر کام کا آغاز بسم اللہ سے جو کرنے کی ہدایت فرمائی ہے اس میں اصلی رمز یہی ہے کہ ہماری نگاہ صرف اسباب ہی تک کے نہ رہ جائے بلکہ اسباب کے پس پردہ جو مسبب الاسباب ہے وہ بھی نگاہ میں رہے اس لیے کہ اسباب اسی کے اذن سے کام کرتے ہیں۔ آخر میں 'غَفُورٌ رَّحِيمٌ' کی صفات کا حوالہ اس حقیقت کو ظاہر کرتا ہے کہ جس طرح مجرد اسباب پر بھروسہ جائز نہیں ہے اسی طرح اپنے اعمال پر بھی، خواہ وہ کتنے ہی نیک کیوں نہ ہوں، غرہ نہیں ہونا چاہیے بلکہ اصل بھروسہ خدا کی مغفرت ورحمت ہی پر ہونا چاہیے۔ کون جانتا ہے کہ خدا کی میزان میں کس کے عمل کا کیا وزن ٹھہرتا ہے۔

وَهِيَ تَجْرِي بِهِمْ فِي مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۚ وَنَادَىٰ نُوحٌ ابْنَهُ وَكَانَ فِي مَعْزِلٍ يَا بُنَيَّ ارْكَب مَّعَنَا وَلَا تَكُن مَّعَ الْكَافِرِينَ (۴۲)

حضرت نوحؑ کی دلداری کا آخری امتحان

کشتی متلاطم موجوں کے اندر چل رہی تھی۔ موجیں اس طرح اٹھ رہی تھیں گویا کالے پہاڑ اٹھ رہے ہوں (یہ صحیح تصویر ہے طوفانی سمندر کے اندر موجوں کے اٹھنے کی) اتنے میں حضرت نوحؑ نے دیکھا کہ کچھ فاصلے پر ان کا بیٹا (تورات میں اس بیٹے کا نام کنعان آیا ہے) کھڑا ہے۔ اس کو دیکھ کر شفقت پدری جوش میں آگئی۔ اس کو آواز دے کر پکارا 'يَا بُنَيَّ ارْكَب مَّعَنَا وَلَا تَكُن مَّعَ الْكَافِرِينَ'۔ اس پکار میں بیک وقت شفقت اور دعوت دونوں کی روح سموئی ہوئی ہے۔ 'يَا بُنَيَّ' باپ کی طرف سے بیٹے کے لیے نہایت پیار کا خطاب ہے اور 'وَلَا تَكُن مَّعَ الْكَافِرِينَ' میں گویا آخری دعوت ہے کہ لخت جگر اب بھی موقع ہے کہ ان کافروں کا ساتھ چھوڑ کر ہم میں شامل ہو جا۔

'وَھِیَ تَجْرِیْ' حال کا صیغہ تصویرِ حال کے لیے ہے۔ اسی طرح 'وَكَانَ فِیْ مَعْزِلٍ' کے الفاظ بھی اسی لیے وارد ہوئے ہیں کہ پورا منظر قاری کی نگاہوں کے سامنے آجائے۔ طوفانی ہوائیں چل رہی ہیں، موسلادھار بارش ہو رہی ہے، پہاڑوں کی طرح موجیں اٹھ رہی ہیں، ان موجوں کے تھپیڑوں سے حضرت نوحؑ کی کشتی نبرد آزما ہے کہ اتنے میں نگاہ جو اٹھتی ہے تو دیکھتے ہیں کہ کچھ فاصلے پر جوان سال بیٹا حالات سے ششدر و سراسیمہ کھڑا ہے۔ آخر یہ بھی تو ممکن تھا کہ یہ منظر ان کو نہ دکھایا جاتا، جس طرح دوسرے بہت سارے کفاران کی نگاہوں سے اوجھل رہ کر ڈوبے اسی طرح یہ بھی نگاہوں سے دور کہیں کسی موج کا لقمہ بن جاتا۔ لیکن نہیں، اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ حضرت نوحؑ بیٹے کے ڈوبنے کا عبرت انگیز تماشا اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ یہ حضرت نوحؑ کی وفاداری کا آخری امتحان تھا جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرات انبیاء کیسے کیسے امتحانوں سے گزارے جاتے ہیں لیکن اللہ کی توفیق سے وہ ہر امتحان میں ثابت قدم رہتے ہیں۔ نیز اس سے یہ حقیقت بھی واضح ہوتی ہے کہ خدا کا قانون جب آتا ہے لاگ ہے کہ نوحؑ کا بیٹا بھی نافرمان ہو تو وہ اس کی گردن بھی عین باپ کے سامنے دبا دیتا ہے تو تا بہ دیگراں چہ رسد۔

قَالَ سَاٰوِیْۤ اِلٰی جَبَلٍ یَّعْصِمُنِیْ مِنَ الْمَآءِ ؕ قَالَ لَا عَاصِمَ الْیَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَحَالَ بَیْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِیْنَ ﴿۴۳﴾

ہولناک ٹریجڈی کا آخری منظر

بیٹا بھی بڑا ہی ہٹی تھا۔ یہ ہولناک منظر دیکھ کر بھی اس کی ہیکڑی میں کوئی فرق نہیں آیا۔ باپ کی اس شفقت بھری دعوت کے جواب میں بولا کہ کچھ پروا نہیں، میں کسی پہاڑ کی پناہ لے لوں گا، وہ مجھے اس پانی سے بچا لے گا۔ حضرت نوحؑ نے فرمایا کہ یہ پانی نہیں بلکہ قہر الٰہی ہے جس سے آج کوئی بچانے والا نہیں بن سکتا۔ صرف وہی اس سے بچ سکے گا جس پر اللہ ہی رحم فرمائے۔ اتنے میں ایک موج باپ اور بیٹے کے درمیان حائل ہو گئی اور وہ بھی غرق ہو کے رہا۔ یہ اس ہولناک ٹریجڈی کا آخری منظر تھا۔ اس کے سامنے آجانے کے بعد فوراً آسمان و زمین سب کو احکام صادر ہو گئے کہ بس اب کام پورا ہو چکا!

وَقِیْلَ یٰۤاَرْضُ ابْلَعِیْ مَآءَكِ وَیٰسَمَآءُ اَقْلِعِیْ وَغِیْضَ الْمَآءُ وَقُضِیَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَی الْجُوْدِیِّ وَقِیْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۴﴾

زمین کو حکم ہوا کہ اپنا پانی نگل لے۔ آسمان کو حکم ہوا کہ بس اب تھم جا۔

'اقلاع' کا مفہوم

'اقلاع' کے معنی کسی کام سے رک جانے کے بھی ہیں۔ یا سماء اقلعی، ای امسکی من المطر۔

غیض الماء کا مفہوم

'وغیض الماء' یعنی چڑھا ہوا پانی اتر گیا: 'غاض یغیض' لازم اور متعدی دونوں آتا ہے۔ 'غاض الماء' پانی اتر گیا، 'غاض الماء' پانی کو اتار دیا۔ یہاں متعدی استعمال ہوا ہے۔

'جودی' سے مراد

الجودی کوہستان اراراط کی ایک چوٹی کا نام ہے۔ تورات میں صرف اراراط کا ذکر ہے۔ قرآن نے خاص اس چوٹی کا ذکر کیا ہے جہاں کشتی جا کر ٹکی۔ اس سے طوفان کی ہولناکی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ چند دنوں میں پانی کہاں سے کہاں تک پہنچ گیا۔ اگر کسی محدود علاقہ میں بارش اتنی زیادہ ہو کہ نکاس کے تمام راستے اس کے پانی کو باہر نکالنے سے قاصر رہ جائیں تو وہاں پانی کا چڑھ جانا امر لازمی ہے۔

منعمین پر لعنت

'بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ' اظہارِ نفرت و لعنت کا جملہ ہے۔ یعنی خس کم جہاں پاک! ان ظالموں پر لعنت ہو! 'ظلم' سے یہاں اپنی جان پر ظلم مراد ہے یعنی اللہ نے تو ان کو نہایت اعلیٰ صلاحیتوں کے ساتھ پیدا کیا لیکن انھوں نے اپنی بداعمالیوں سے اپنے آپ کو خدا کی زمین پر غلاظت کا ایک ڈھیر بنا لیا جس کو صاف کرنے کے لیے خدا کو ایک طوفان بھیجنا پڑا۔

وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ (۴۵)

بلاغتِ کلام کا ایک خاص پہلو

یہ دعا حضرت نوحؑ نے اس وقت فرمائی ہے جب بیٹے کو ڈوبتے دیکھا اس وجہ سے بظاہر اس کا حوالہ آیت ۴۳ کے ساتھ آنا تھا لیکن بلاغت کلام کے اقتضا سے اس کا ذکر مؤخر ہوگیا۔ گویا خدا کی نگاہوں میں یہ شخص، حضرت نوحؑ کا بیٹا ہونے کے باوجود، ایسا نابکار تھا کہ جب تک خدا نے اس کو غرق نہیں کر لیا، اس کے باب میں حضرت نوحؑ کی دعا کو زیر بحث لانا بھی پسند نہیں فرمایا۔ اس غضب کی وجہ ظاہر ہے کہ اس دنیا میں اگر کسی انسان کو سب سے بڑی سعادت اور خوش بختی حاصل ہو سکتی ہے تو وہ یہی ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو کسی پیغمبر کے گھر میں جنم دے لیکن یہی خوش بختی سب سے بڑی بدبختی بھی ہو سکتی ہے اگر وہ اس کی قدر نہ کرے اور ولی کے گھر میں شیطان بن کر اٹھے۔ چنانچہ کلام کی ترتیب ہی سے یہ بات صاف عیاں ہے کہ اس شخص کو خدا نے سب سے زیادہ مبغوض قرار دیا۔ گویا سارے طوفان کا اصلی ہدف تھا ہی یہی کہ جب یہ ڈوب گیا تو معاً طوفان کے خاتمہ کا اعلان ہوگیا۔

حضرت نوحؑ کی شفقت پدری

حضرت نوحؑ نے یہ دعا شفقت پدری سے مغلوب ہو کر محض 'اہل' کے اس لفظ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فرمائی جو اوپر آیت ۴۰ میں گزرا ہے کہ حضرت نوحؑ کو حکم ہوا کہ "اس کشتی میں ہر چیز کے نر و مادہ اور اپنے اہل و عیال کو بجز ان کے جن کے باب میں خدا کا فیصلہ پہلے ہی ہو چکا ہے، سوار کرا لو"۔ چونکہ 'اہل' کے لفظ میں ان کا بیٹا کنعان بھی بظاہر لفظ میں شامل تھا اور یہ بات تعین کے ساتھ ان کے علم میں نہیں تھی کہ یہ خدا کے اس فیصلہ کی زد میں آچکا ہے جس کا حوالہ ہم نے اوپر 'اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ' کی وضاحت کرتے ہوئے دیا ہے۔ اس وجہ سے انھوں نے فریاد کی کہ اے رب، میرا یہ بیٹا بھی میرے اہل میں شامل ہے اور تیرا یہ وعدہ کہ تو میرے اہل کو اس کشتی کے ذریعہ سے نجات دے گا سچا وعدہ ہے اور تو سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے۔ مطلب یہ کہ جب یہ تیرا سچا وعدہ موجود ہے تو میرا یہ بیٹا غرق کیوں ہوا؟

نبی کا گھرانہ ایمان و عمل صالح سے بنتا ہے

قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنِّيْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ (۴۶)

اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا کہ یہ بیٹا تمہارے اس اہل میں شامل نہیں جن کے لیے نجات کا وعدہ تھا۔ نجات کا وعدہ صرف اہل ایمان کے لیے تھا اور تمھارے اہل میں سے اس میں وہی شامل تھے جو ایمان کے رشتہ سے تمہارے ساتھ وابستہ تھے۔ 'اِنَّهٗ عَمَلٌ'

غَيْرُ صَالِحٍ' یہ اسی طرح کا اسلوب بیان ہے جیسے کہیں 'زَيْدٌ عَدْلٌ' (زید سراپا عدل ہے) یعنی یہ شخص تمہارے اہل میں کیسے شمار ہو سکتا ہے، یہ تو بالکل ناکارہ و ناہنجار تھا۔ نبی کا گھرانا صرف نسب سے نہیں بنتا بلکہ ایمان و عمل صالح سے بنتا ہے۔ یہ تو ان لوگوں میں شامل تھا جن کے باب میں ہمارا فیصلہ صادر ہو چکا ہے کہ ہم ایسے تمام لوگوں کو جہنم میں بھر دیں گے تو تم ہم سے کسی ایسی بات کے لیے درخواست نہ کرو جس کے باب میں تمہیں کوئی علم نہیں۔ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم جذبات سے مغلوب ہو جانے والوں میں سے نہ بنو۔ ہم دوسرے مقام میں لفظ 'جہل' کی تحقیق بیان کر چکے ہیں کہ عربی میں اس کا اصلی مفہوم جذبات سے مغلوب ہو جانا ہے۔

قَالَ رَبِّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ أَنْ أَسْئَلَكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَإِلَّا تَغْفِرْ لِيْ وَتَرْحَمْنِيْ أَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ (۴۷)

حضرت نوح علیہ السلام نے اس تنبیہ کے بعد فوراً توبہ کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔

قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى أُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ؕ وَأُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ أَلِيْمٌ (۴۸)

حضرت نوحؑ کو بشارت

طوفان گزر جانے کے بعد یہ حضرت نوحؑ کو ہدایت ہوئی کہ اب خدا کی طرف سے سلامتی اور برکتوں کے سایہ میں زمین پر اترو۔ یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ کسی معذب قوم کے اندر سے جو لوگ اپنے ایمان اور اپنی عزیمت کی بدولت نجات پاتے ہیں چونکہ وہ ابتلائش کی بھٹیوں سے گزر کر ہر قسم کے غل و غش سے بالکل پاک ہو جاتے ہیں اس وجہ سے رحمت الٰہی ان کی طرف خاص طور سے متوجہ ہوتی ہے اور ان کو اپنی مخصوص برکات و افضال کے سایہ میں پروان چڑھاتی ہے۔ ان کی مثال نہایت صالح بیجوں کی ہوتی ہے جو صالح زمین اور سازگار آب و ہوا میں پروان چڑھتے ہیں۔ اس وجہ سے ہر چند ان کی تعداد تھوڑی ہو لیکن وہ بہت جلد تمام اکناف کو گھیر لیتے ہیں۔ 'وَعَلٰٓى أُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ' یعنی آج اگر بظاہر تمہارے ساتھ صرف چند نفوس ہیں لیکن چونکہ ان پر خدا کی رحمت و برکت ہے اس وجہ سے ان کے اندر بڑی بڑی قومیں اور ملتیں مضمر ہیں جو بالآخر ظہور میں آئیں گی اور تمام روئے زمین پر چھا جائیں گی۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ طوفان نوحؑ کے بعد یہی نفوس از سر نو آبادی کا ذریعہ بنے۔

ایک تنبیہ

'وَأُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ أَلِيْمٌ' ساتھ ہی اس امر واقعہ سے آگاہ فرمایا کہ آئندہ ان کی نسل سے جو قومیں اٹھیں گی ان میں سب مبارک ہی نہیں ہوں گی بلکہ ان میں ایسی قومیں بھی ہوں گی جو عروج پکڑیں گی اور ہم ان کو ایک خاص حد تک مہلت بھی دیں گے بالآخر ان کے اعمال کی پاداش میں ہم ان کو ایک دردناک عذاب میں پکڑیں گے۔

آنحضرت صلعم کی طرف التفات

تِلْكَ مِنْ أَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ إِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ أَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛ فَاصْبِرْ ۛ إِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ (۴۹)

یہ خاتمہ سرگزشت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف التفات ہے کہ یہ سرگزشت نہ تمہارے علم میں تھی اور نہ تمہاری قوم ہی کے۔

یہ محض اللہ کا فضل ہے کہ اس نے اپنی وحی کے ذریعہ سے اس سے تم کو بھی آگاہ کیا اور تمہارے واسطہ سے تمہاری قوم کو بھی اس سے آگاہ ہونے کا سامان بہم پہنچایا۔ یہ امر یہاں واضح رہے کہ یہ سرگزشت اس واضح صورت میں، اپنے فوائد و نتائج کے ساتھ، پہلی مرتبہ قرآن ہی میں بیان ہوئی ہے۔ اس سے پہلے تورات میں اس کے بعض حصے بیان تو ضرور ہوئے تھے لیکن نہایت ہی پراگندہ اور مسخ شدہ شکل میں۔ پھر پچھلے صحیفوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ناواقف تھے اور آپ کی قوم کے لوگ بھی۔ یہ تو قرآن کا فیض ہے کہ اس نے تاریخ کے ان حقائق سے آگاہ کیا اور یہ حقائق جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کے لیے سبق آموز تھے اسی طرح آپ کی قوم اور آپ کے کے لیے بھی۔ فَاصْبِرْ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ۔ یہ خلاصہ ہے اس سرگزشت کا۔ مطلب یہ ہے کہ اپنی دعوت پر جمے رہو۔ انجام کار کی کامیابی خدا سے ڈرنے والوں ہی کو حاصل ہوتی ہے۔ تمہارے مخالف ناکام و نامراد ہوں گے۔

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ (۵۰)

قوم عاد اور حضرت ہود

رسولوں کے باب میں یہ سنت الٰہی رہی ہے کہ ہر قوم کی طرف اللہ تعالیٰ نے انہی میں سے رسول بھیجا تاکہ انہی کے اندر کا ایک بہترین آدمی، انہی کی زبان میں ان پر حجت تمام کرے اور قومی و لسانی اجنبیت بیچ میں حائل نہ ہونے پائے۔ اس طرح گویا اپنی ہی زبان اور اپنا ہی دل اپنے اوپر گواہی دیتا ہے اور خود اپنا ہی بھائی حق نصیحت ادا کرتا ہے جس کی ہر اس شخص کو قدر کرنی چاہیے جس کے اندر حق کی عزت ہے۔ 'اَخَاهُمْ' کے لفظ سے اسی حقیقت کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ ہم نے عاد کی طرف کسی غیر کو نہیں بلکہ انہی کے ایک بھائی کو رسول بنا کر بھیجا لیکن حق دشمنی کے جوش میں اس چیز کو بھی، جیسا کہ آگے تفصیل آئے گی، انھوں نے اس کی مخالفت کا بہانہ بنا لیا۔ اُعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ۔ یہی توحید کی دعوت شروع سے تمام انبیاء کی مشترک دعوت رہی ہے اور اسی کی دعوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بلند کی تھی۔ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ یعنی اگر تم یہ دعوے کرتے ہو کہ کچھ اور معبود بھی ہیں جن کو خدا نے اپنا شریک ٹھہرایا ہے تو تم یہ خدا پر تہمت اور بہتان لگا رہے ہو۔ خدا نے کہیں بھی یہ نہیں کہا ہے کہ اس نے کسی کو شریک بنایا ہے۔

يٰقَوْمِ لَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَي الَّذِيْ فَطَرَنِيْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (۵۱)

حضرت ہود کی بے قراری

یعنی میں اس طرح ٹوٹ ٹوٹ کر جو تمہیں سمجھا رہا ہوں تو اس لیے نہیں کہ اس کے عوض میں تم سے اپنا کوئی مفاد وابستہ رکھتا ہوں یا میں کوئی مال تجارت لے کر تمہارے پیچھے پیچھے نہیں پھر رہا ہوں اگر تم نے نہ خریدا تو میرا کاروبار بیٹھ جائے گا۔ یہ تو محض تمہاری صلاح و فلاح کی آرزو ہے جو تمہاری تمام ناقدریوں کے باوجود مجھے چین سے بیٹھنے نہیں دیتی تو خدارا میری بات توجہ سے سنو تو سہی۔ آخر میں اس کا کوئی معاوضہ تو نہیں مانگ رہا ہوں کہ تم میری بات سننے کے بھی روادار نہیں۔ جہاں تک میرے اجر کا تعلق ہے وہ میرے اس رب کے ذمہ ہے جس نے مجھ کو پیدا کیا ہے۔ میں تو تم کو کچھ دینا چاہتا ہوں، کچھ لینے کا خواہشمند نہیں ہوں۔ کیا اتنی واضح بات تمہاری سمجھ میں نہیں آرہی ہے؟

وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَاۗءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى

قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ (۵۲)

توبہ کی دعوت اور اس کی برکات

یہ قوم کو توبہ کی دعوت ہے کہ شرک اور نافرمانی سے تائب ہو کر خالص اپنے رب سے اپنے تعلق کو استوار کرو۔ ہم دوسرے مقام میں واضح کر چکے ہیں کہ توبہ کے دو رکن ہیں۔ ایک منفی دوسرا مثبت۔ منفی تو یہ ہے کہ آدمی نے جو غلط عقائد و اعمال اختیار کر رکھے ہیں ان سے دست بردار ہو، مثبت یہ ہے کہ ان کی جگہ صحیح عقائد و اعمال اختیار کرے۔ پہلے کے لیے استغفار کا لفظ ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ بندہ اپنے رب سے ملتجی ہو کہ وہ اس کے گناہوں سے درگزر فرمائے اور ان پر اپنے عفو و کرم کا پردہ ڈالے۔ دوسرے کے لیے توبہ کا لفظ ہے جس کے معنی رجوع کرنے کے ہیں۔ یعنی بندہ زندگی کی اس صراط مستقیم کی طرف رجوع کرے جو خدا نے اس کو بتائی ہے اور جو اس کو خدا تک پہنچانے والی ہے۔ ان میں سے پہلے کی بنیاد خشیت پر ہے اور دوسرے کی محبت پر۔ پھر شعور اور احساس ان کا لازمی جزو ہے۔ جب تک یہ تمام عناصر جمع نہ ہوں، مجرد توبہ توبہ یا اَستغفر اللہ کے ورد سے وہ توبہ وجود میں نہیں آتی جو خدا کے ہاں قبولیت کا درجہ پائے ——— يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ۔ خوب خوب بارش برسانا رزق و فضل میں زیادتی کی تعبیر ہے اور يَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ سے سیاسی قوت و شوکت میں اضافہ کی طرف اشارہ ہے۔ یہ اجتماعی توبہ کی برکتیں بیان ہوئی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ نہ خیال کرو کہ آسمان سے بارش تمہارے دیوتا برساتے ہیں اور میدان جنگ میں فتح تمہیں وہ دلاتے ہیں اس وجہ سے اگر تم نے ان کو چھوڑ دیا تو رزق سے بھی محروم ہو جاؤ گے اور تمہاری سیاسی جمعیت بھی پارہ پارہ ہو جائے گی۔ تمہارے یہ خیالات بالکل وہم پر مبنی ہیں۔ آسمان و زمین سب پر صرف خدا ہی کی بادشاہی ہے۔ اس وجہ سے اگر کوئی قوم اللہ کی طرف رجوع کرتی اور اس کی رسی مضبوطی سے پکڑ لیتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے آسمان و زمین سب کی برکتوں کے دروازے کھول دیتا ہے اور چہار دانگ عالم پر اس کی حکومت قائم ہو جاتی ہے۔ استغفار و توبہ کی جو دعوت تمہیں ہمارا رسول دے رہا ہے اس کو فرمانبردارانہ قبول کرو، اس سے مجرمانہ منہ نہ موڑو ——— اگرچہ یہاں، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، اجتماعی توبہ کی برکتیں بیان ہوئی ہیں لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ انفرادی توبہ ان برکتوں سے خالی ہوتی ہے۔ جو بندہ گناہ کی زندگی سے منہ موڑ کر اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے اللہ تعالیٰ رزق طیب سے اس کی کفالت فرماتا اور اس کو سکینت و طمانیت کی لازوال بادشاہی بخشتا ہے۔

قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ (۵۳)

قوم کی طرف سے معجزہ کا مطالبہ

'بیّنۃ' سے مراد یہاں کوئی کھلا ہوا حسی معجزہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم تمہارا اتنا بڑا دعویٰ کہ تم خدا کے رسول ہو کر ہمارے پاس آئے ہو اور اتنا بڑا مطالبہ کہ ہم اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں، مجرد تمہارے کہہ دینے سے کس طرح قبول کر لیں؟ ہم یہ دعویٰ اور مطالبہ تو صرف اس صورت میں مان سکتے تھے جب تم کوئی کھلا ہوا معجزہ دکھاتے۔ لیکن جب تم اس طرح کا کوئی معجزہ لے کر نہیں آئے تو ہم مجرد تمہارے کہے پر نہ اپنے معبودوں ہی کو چھوڑنے کے لیے تیار

ہیں اور نہ تمہارے اس دعوے ہی کی تصدیق کے لیے تیار ہیں کہ تم خدا کے رسول ہو۔

إِن نَّقُولُ إِلَّا اعْتَرَاكَ بَعْضُ آلِهَتِنَا بِسُوءٍ ۗ قَالَ إِنِّي أُشْهِدُ اللَّهَ وَاشْهَدُوا أَنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ مِن دُونِهِ ۖ فَكِيدُونِي جَمِيعًا ثُمَّ لَا تُنظِرُونِ (۵۴ - ۵۵)

حضرت ہودؑ کی غیرتِ حق

"اعتراء" کے معنی پہنچنے اور لاحق ہونے کے ہیں۔ یعنی تمہارا یہ دعویٰ اور یہ مطالبہ تسلیم کرنا تو الگ رہا، ہمارا کہنا تو یہ ہے کہ تم پر ہمارے معبودوں ہی میں سے کسی کی مار پڑی ہے جس کے اثر سے تم باؤلے ہو کر اس قسم کی بہکی بہکی باتیں کرنے لگے ہو۔ ان کی یہ بات سنتے ہی حضرت ہودؑ کی غیرتِ توحید بھڑک اٹھی۔ انداز کلام سے مترشح ہوتا ہے کہ انھوں نے ان کی بات کاٹ کر فوراً پورے جوش کے ساتھ جواب دیا کہ "میں اللہ کو گواہ کر کے کہتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ اللہ کے سوا تم جن چیزوں کو شریک ٹھہراتے ہو میں ان سے بری ہوں"۔ "فَكِيدُونِي جَمِيعًا ثُمَّ لَا تُنظِرُونِ" اعلان برأت کے ساتھ یہ چیلنج ہے کہ اگر تمہارا گمان یہ ہے کہ تمہارے یہ معبود مجھے کوئی ضرر پہنچا سکتے ہیں تو تم اور تمہارے یہ سارے معبود مل کر میرے ساتھ جو داؤ گھات کرنا چاہتے ہو کر ڈالو اور پھر مجھے ذرا مہلت نہ دو یعنی اپنے ترکش کے آخری تیر بھی آزما دیکھو کہ دل میں کوئی ارمان باقی نہ رہ جائے۔

إِنِّي تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ رَبِّي وَرَبِّكُم ۚ مَّا مِن دَابَّةٍ إِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا ۚ إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ (۵۶)

مومن کی ڈھال: توکل

یہ ہے مومن و موحد کی وہ ڈھال جس کے بل پر حضرت ہودؑ نے مذکورہ بالا چیلنج دیا۔ فرمایا کہ میرا بھروسا اللہ پر ہے جو میرا رب بھی ہے اور تمہارا بھی۔ مجال نہیں ہے کہ اس کے اذن کے بغیر کسی کو کوئی گزند پہنچا سکے۔ "مَا مِن دَابَّةٍ إِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا" کوئی جاندار ایسا نہیں ہے جو اس کے قبضۂ قدرت سے باہر ہو۔ سب کی پیشانی اس کی مٹھی میں ہے، وہ جس کو جدھر چاہے اس کی چوٹی پکڑ کر موڑ دے اور جہاں چاہے روک لے۔ "إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ" اور یہ نہ سمجھو کہ مجھے اپنے رب تک پہنچنے کے لیے بہت سی کج پیچ کی راہوں سے گزرنے اور تمہارے عقیدے کے مطابق بہت سے واسطوں اور وسیلوں کی ضرورت ہو۔ بلکہ میری عقل اور میری فطرت کو اس سے براہ راست ربط ہے۔ اس تک پہنچنے کے لیے یہ کافی ہے کہ میں صدق دل سے اس کی طرف متوجہ ہو جاؤں، اگر میں متوجہ ہو جاؤں تو وہ بالکل سیدھی راہ پر میرے سامنے ہے۔ یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ مشرکین کا عقیدہ یہ تھا کہ خدا تک پہنچنے کا واسطہ ان کے اصنام ہی ہیں اس وجہ سے بغیر ان کی عبادت کے کوئی خدا کو نہیں پا سکتا۔ اپنے اسی عقیدے کو وہ یوں پیش کرتے تھے کہ "مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ" (ہم ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہم کو خدا سے قریب کر دیں)۔ ان کے اسی عقیدے کی بنا پر قرآن نے ان کا جرم یہ بتایا ہے کہ وہ خدا تک پہنچنے کی سیدھی راہ سے لوگوں کو روکتے ہیں اور اس سیدھی راہ کو کج کرنا چاہتے ہیں (الَّذِينَ يَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا۔ الاعراف) حضرت ہودؑ نے اسی عقیدۂ باطل کی تردید فرمائی ہے اور غور کیجیے تو یہ حقیقت سامنے آئے گی کہ جب تک آدمی کے اندر خدا کے قرب و اتصال کا وہ تصور موجود نہ ہو جو ایک

سچے موحد کے اندر ہوتا ہے اس وقت تک اس کو خدا پر وہ توکل نہیں ہو سکتا کہ حضرت ہودؑ کی طرح ساری خدائی کو چیلنج کر سکے۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖٓ اِلَيْكُمْ ؕ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّيْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۚ وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ (۵۷)

حضرت ہودؑ کی آخری تنبیہ

یہ حضرت ہودؑ کی طرف سے آخری تنبیہ ہے کہ اگر تم اسی اعراض کی روش پر اڑے رہنے کا فیصلہ کر چکے ہو تو اب نتائج کی تمام ذمہ داری تمہارے ہی سر ہے، اس لیے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو پیغام دے کر بھیجا گیا تھا، وہ میں تمہیں واضح طور پر پہنچا چکا ہوں۔ اب آگے کا مرحلہ یہ ہے کہ میرا رب تمہاری جڑ کاٹ دے گا۔ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّيْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ اور تمہاری جگہ تمہارے سوا کسی اور قوم کو متمکن کر دے گا۔ وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَيْـًٔا: اور یہ نہ سمجھو کہ تمہارے اجڑ جانے سے خدا کی دنیا اجڑ جائے گی۔ تمہارا فنا ہو جانا اس کے یا اس کی دنیا کے لیے ذرا بھی ضرر رساں نہیں۔ وہ ہر چیز کا نگران اور محافظ ہے۔ جو چیز بگڑ جاتی ہے اس کو ہٹا کر اس کی جگہ دوسری نئی چیز لا دیتا ہے۔ یہ نہیں ہے کہ وہ ایک مرتبہ اس دنیا کو بنا کر پھر اس سے بے تعلق ہو کر بیٹھ رہا ہو بلکہ وہ برابر اس کی نگرانی بھی کر رہا ہے۔ اگر کوئی قوم اپنے حدود سے گزر جاتی ہے تو ایک خاص حد تک مہلت دینے کے بعد اس کو درست بھی کر دیتا ہے۔

وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَنَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ (۵۸)

قوم عاد کے عذاب کی نوعیت

'امر' سے مراد یہاں وہ عذاب ہے جو امر الٰہی کے تحت ظہور میں آیا۔ اس عذاب کی نوعیت کیا تھی؟ اس کی کوئی تفصیل یہاں نہیں ہے۔ ہمارے استاذ مولانا فراہیؒ نے سورۂ ذاریات کی تفسیر میں اس کی نوعیت پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ اس بحث کی تمہید مولانا نے یوں اٹھائی ہے۔

> "قرآن مجید میں قوم عاد کی ہلاکت کی جو تفصیلات بیان ہوئی ہیں ان پر جو شخص غور کرے گا اس سے یہ حقیقت مخفی نہیں رہ سکتی کہ وہ تند ہوا کے ذریعے سے ہلاک کیے گئے جس کے ساتھ سرما کے وہ بادل بھی تھے جو ہمیشہ رعد و برق کے ساتھ نمودار ہوتے ہیں۔ قرآن میں جہاں ان کی تباہی کا ذکر ہوا ہے ہوا کے ساتھ پانی سے خالی بادل اور صاعقہ کا بھی ذکر ہوا ہے، سورۂ احقاف میں ہے۔ فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ؕ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ؕ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍۭ بِاَمْرِ رَبِّهَا (پس جب انھوں نے اس کو عذاب کی دیکھا ابر کی صورت میں اپنی وادیوں کی طرف بڑھتے ہوئے، بولے یہ تو بادل ہے جو ہم پر برسنے والا ہے بلکہ یہ وہ چیز ہے جس کے لیے تم جلدی مچائے ہوئے تھے باد تند جس کے اندر ایک دردناک عذاب ہے۔ یہ اکھاڑ پھینکے گی ہر چیز کو اپنے رب کے حکم سے)
>
> ظاہر ہے یہ تمام خصوصیات موسم سرما کی باد تند کی ہیں۔ اس زمانے میں، عرب میں باد شمال صرصر کی شکل میں نمودار ہوتی ہے اور قحط و خشکی کی ایک عام نحوست اور تباہی ہر طرف پھیل جاتی ہے۔ سورۂ قمر میں اسی چیز کی

طرف اشارہ فرمایا ہے۔ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ (اور ہم نے ان پر باد صرصر چلا دی قائم رہنے والی نحوست کے زمانے میں) اسی طرح حٰم السجدہ میں ہے۔ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ (پس ہم نے ان پر باد صرصر چلا دی نحوست کے زمانے میں) باد صرصر کے یہ طوفان، جیسا کہ ہم نے عرض کیا، عرب میں جاڑوں میں ظاہر ہوتے ہیں اور یہی زمانہ ان کے ہاں نحوست اور فاقہ کا سمجھا جاتا ہے۔ (تفسیر سورۂ ذاریات فراہیؒ۔ فصل ۱۷)

اہل ایمان پر اللہ کا فضل

جب یہ عذاب نازل ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اپنی سنت کے مطابق اپنے رسول حضرت ہودؑ اور ان کے باایمان ساتھیوں کو اپنے فضل خاص سے اس عذاب سے بچا لیا اور باقی سب کو فنا کر دیا۔ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا سے اس رحمت کی عظمت و شان ظاہر ہو رہی ہے اس لیے کہ جو عذاب پورے علاقہ پر آیا، اس سے تھوڑے سے مخصوص لوگوں کو اس طرح اپنی رحمت کے پروں کے نیچے چھپا کر بچا لینا عنایت الٰہی کا ایک عظیم کرشمہ ہے۔ وَنَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ یعنی یہ نہ سمجھو کہ ہم نے انھیں کسی معمولی آفت سے چھڑایا بلکہ نہایت ہی سخت و شدید عذاب سے چھڑایا۔ اس سے عذاب کی ہولناکی کا بھی اظہار ہو رہا ہے اور اس عظیم رحمت کا بھی جو حضرت ہودؑ اور ان کے ساتھیوں کے لیے ظاہر ہوئی۔ مفسرین نے عام طور پر اس سے عذاب آخرت مراد لیا ہے لیکن ہم نے جو اس کا خاص پہلو واضح کیا ہے وہ موقع و محل سے نہایت واضح مناسبت رکھتا ہے۔

وَتِلْكَ عَادٌ ڰ جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ وَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ۝ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اَلَآ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ۭ اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ (۵۹ - ۶۰)

قریش کو تنبیہ

'تِلْكَ' کا اشارہ مخاطب یعنی قریش کو اس سرگزشت کی طرف توجہ دلانے کے لیے ہے کہ ان کے انجام سے سبق لو اور عبرت پکڑو۔ یہ کسی دوسرے کی سرگزشت نہیں، تمہاری اپنی ہی سرزمین کا ماجرا ہے۔ 'جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ' انھوں نے بھی تمہاری ہی طرح اپنے رب کی نشانیوں کا دیدہ و دانستہ، جیسا کہ دوسری جگہ تصریح ہے، انکار کیا۔ 'وَعَصَوْا رُسُلَهٗ' اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی۔ یہاں یہ امر ملحوظ رہے کہ اگرچہ بظاہر انھوں نے نافرمانی ایک ہی رسول — حضرت ہودؑ — کی کی تھی لیکن لفظ جمع کا 'رُسُل' استعمال ہوا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اعتبار اصل علت فعل کا ہوتا ہے نہ کہ مخصوص فعل کا۔ جس علت کی بنا پر انھوں نے حضرت ہودؑ کو جھٹلایا اس کی موجودگی کی صورت میں کسی رسول کے ساتھ بھی ان کا معاملہ اس سے مختلف نہیں ہو سکتا تھا۔ وَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ۔ یعنی رسولوں کی تو انھوں نے نافرمانی کی اور سرکشوں اور ضدیوں کی بات مانی۔ انجام اس بدبختانہ روش کا یہ ہوا کہ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ اس دنیا میں بھی ان کے پیچھے لعنت لگا دی گئی اور آخرت میں بھی ان کے پیچھے یہ لعنت لگی رہے گی۔ یہ حقیقت بھی یہاں پیش نظر رہے کہ اس دنیا میں انسان کے لیے دو ہی راستے ہیں۔ ایک رحمان کا، دوسرا شیطان کا اور انہی میں سے کسی ایک کی پیروی اس کے لیے ناگزیر ہے۔ اگر وہ رحمان کے راستہ کو نہیں اختیار کرے گا تو لازماً شیطان

کی پیروی کرے گا۔ بیچ کی کوئی اور راہ نہیں ہے۔ آخر میں قریش کو پھر متنبہ کیا کہ کان کھول کر سن لو کہ عاد نے اپنے رب کا انکار کیا اَلَا بُعۡدًا لِّعَادٍ قَوۡمِ هُوۡدٍ سن لو کہ ہود کی قوم عاد پر خدا کی مار!

وَاِلٰی ثَمُوۡدَ اَخَاهُمۡ صٰلِحًا ۘ قَالَ یٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَیۡرُهٗ ؕ هُوَ اَنۡشَاَكُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ وَاسۡتَعۡمَرَكُمۡ فِیۡهَا فَاسۡتَغۡفِرُوۡهُ ثُمَّ تُوۡبُوۡۤا اِلَیۡهِ ؕ اِنَّ رَبِّیۡ قَرِیۡبٌ مُّجِیۡبٌ (۶۱)

اور قوم ثمود کی سرگزشت

عاد کے بعد عرب کی قدیم اقوام میں ثمود نے اپنی تمدنی و تعمیری ترقیوں کے اعتبار سے بڑی شہرت حاصل کی۔ اعراف ۷۴ کے تحت ان کی تعمیری ترقیوں کا ذکر گزر چکا ہے۔ ان کی طرف اللہ تعالیٰ نے حضرت صالحؑ کو رسول بنا کر بھیجا جو ان کے اپنے ہی بھائی بند تھے تاکہ قومی اجنبیت کسی وحشت و بیگانگی کا باعث نہ بنے۔ انھوں نے توحید کی دعوت کے ساتھ اپنی قوم کو اس حقیقت کی طرف بھی توجہ دلائی کہ یہ خدا ہی ہے جس نے تمھیں زمین سے پیدا کیا اور تمھیں اس کی تعمیر و ترقی میں لگا دیا هُوَ اَنۡشَاَكُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ وَاسۡتَعۡمَرَكُمۡ فِیۡهَا، اِسۡتَعۡمَرَهٗ فِی الۡمَكَانِ کے معنی ہیں اس کو اس کی اصلاح و تعمیر میں لگا دیا۔ مطلب یہ ہے کہ تم کو تعمیر و تمدن میں جو ترقی نصیب ہوئی ہے تو یہ بھی خدا ہی کا عطیہ ہے، اسی کی بخشی ہوئی صلاحیتوں کی بدولت تم یہ کارنامے انجام دینے کے قابل ہوئے تو ان کارناموں پر مغرور ہو کر زمین میں فساد برپا کرنے والے نہ بنو بلکہ اپنے گناہوں کی معافی چاہو اور صدق دل سے اس کی طرف رجوع کرو۔ اِنَّ رَبِّیۡ قَرِیۡبٌ مُّجِیۡبٌ۔ میرا رب قریب بھی ہے اور دعاؤں اور التجاؤں کو قبول کرنے والا بھی۔ یعنی اس کو پاتے کے لیے یہ کافی ہے کہ تم اخلاص کے ساتھ اس کی طرف توجہ کرو، تمھارے ان شفعاء و شرکاء کی مطلق ضرورت نہیں ہے جن کو تم اس کا قرب حاصل کرنے کے لیے شرط لازم ٹھہراتے ہو۔

قَالُوۡا یٰصٰلِحُ قَدۡ كُنۡتَ فِیۡنَا مَرۡجُوًّا قَبۡلَ هٰذَاۤ اَتَنۡهٰىنَاۤ اَنۡ نَّعۡبُدَ مَا یَعۡبُدُ اٰبَآؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِیۡ شَكٍّ مِّمَّا تَدۡعُوۡنَاۤ اِلَیۡهِ مُرِیۡبٍ (۶۲)

انبیاء کا اخلاق نبوت سے پہلے

'مَرۡجُوًّا' سے مراد وہ شخص ہے جس کی اٹھان ایسی اچھی رہی ہو کہ وہ قوم و قبیلہ کی امیدوں اور آرزوؤں کا مرکز بن جائے اور لوگ مستقبل میں اس سے بڑی بڑی امیدیں وابستہ کرنے لگیں۔ حضرات انبیاء علیہم السلام چونکہ نخل فطرت کے بہترین ثمر تھے اس وجہ سے منصب نبوت پر سرفراز ہونے سے پہلے بھی وہ اپنی پوری قوم میں اپنی اعلیٰ صلاحیتوں اور اپنے پاکیزہ اخلاق و اوصاف کے اعتبار سے نہایت ممتاز ہوئے ہیں۔ ان کے اس وصف کا تقاضا تو یہ تھا کہ جب وہ نبوت کے دعوے کے ساتھ سامنے آتے تو لوگ سنجیدگی کے ساتھ ان کی بات پر غور کرتے لیکن یہ عجیب بات ہے کہ انبیاء کی قوموں کا معاملہ بالعموم اس کے برعکس رہا ہے۔ جس شخص کو وہ زندگی بھر صادق اور امین مانتے رہے جونہی اس نے اپنی نبوت کا اظہار کیا اس کو کذاب اور مفتری کہنے لگے اور اس کی جان کے درپے ہو گئے۔ صرف تھوڑے سے لوگ ایسے نکلے جنھوں نے معاملے پر سنجیدگی کے ساتھ غور کرنے کی توفیق پائی۔

حضرت صالحؑ پر قوم کے اعتراضات

حضرت صالحؑ کی قوم کو بھی پہلے ان سے بڑا حسن ظن تھا لیکن جب وہ نبی کی حیثیت سے سامنے آئے، توحید کی دعوت دی اور شرک سے روکا تو ان کا سارا حسن ظن غائب ہو گیا۔ وہ بولے کہ ہم تو تم سے بڑی بڑی امیدیں

وابستہ کیے ہوئے تھے کہ تم سے باپ دادا کا نام روشن اور دین آبائی کی عزت و عظمت میں اضافہ ہوگا لیکن تم اچھے نکلے کہ ہمیں ہمارے ان معبودوں کی عبادت سے روکنے اٹھ کھڑے ہوئے جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے آئے۔ بھائی سچی بات تو یہ ہے کہ اس دعوت کے سبب جو تم ہمیں دے رہے ہو ہم سخت شک اور الجھن میں پڑ گئے ہیں۔ 'اَتَنْهٰنَآ اَنْ نَّعْبُدَ' میں 'عن' محذوف ہو گیا ہے۔ اصل میں 'عَنْ اَنْ نَّعْبُدَ' ہے۔ 'مِمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ' سے حضرت صالحؑ کی دعوت توحید مراد ہے۔ 'شک' کے ساتھ 'مُرِيْب' کی صفت سے مضمون میں یہ اضافہ ہوگیا ہے کہ تمہاری اس دعوت سے ہماری امیدوں کو بڑا دھکا لگا ہے۔ ہم کیا توقعات لیے بیٹھے تھے اور تم کیا فتنہ لے کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ 'ارابہ' کے معنی لغت میں 'ازعجہ' و 'اقلقہ' کے ہیں۔ یعنی اس نے اس کو اضطراب اور الجھن میں ڈال دیا۔

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ (۶۳)

حضرت صالحؑ کا جواب

'بینۃ' اور 'رحمۃ' پر آیت ۱۱ اور آیت ۲۸ کے تحت بحث گزر چکی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میں تو جو دعوت دے رہا ہوں وہ میری فطرت کی آواز بھی ہے اور مزید برآں وحی الٰہی کی تعلیم بھی جو مجھے براہ راست حاصل ہوئی تو اب اگر میں اس راہ سے ہٹ کر کوئی اور راہ اختیار کروں تو مجھے خدا کی پکڑ سے بچانے والا کون بنے گا؟ 'فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ'۔ یعنی اگر میں یہ راہ چھوڑ کر تمہاری وہ توقعات پوری کرنے میں لگ جاؤں تو تم میری بدبختی اور نامرادی ہی میں اضافہ کرو گے، خدا کے مقابل میں میری کوئی مدد نہیں کر سکو گے۔

وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ ۝ فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ (۶۴-۶۵)

ناقہ کا معجزہ

بعینہٖ یہی مضمون کم و بیش انہی الفاظ میں (اعراف آیت ۳۰) میں گزر چکا ہے۔ وہاں ہم نے اس کے تمام اہم اجزا کی بھی تشریح کی ہے اور ناقہ کی نشانی کے ظہور کا موقع و محل اور اس کا مقصد بھی واضح کیا ہے۔

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ (۶۶)

'امر' سے مراد وہ عذاب ہے جو ثمود پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے آیا۔ اس عذاب کو لفظ 'امر' سے تعبیر کرنے میں یہ بلاغت ہے کہ جونہی حکم صادر ہوا معاً عذاب آدھمکا۔ گویا امر ہی کے اندر عذاب مضمر تھا۔ 'نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا'، یعنی ہم نے اپنے خاص فضل سے صالحؑ اور اس کے ساتھ ایمان لانے والوں کو نجات دی۔ ورنہ یہ آفت ایسی بے پناہ اور ہمہ گیر تھی کہ اللہ کی رحمت کے سوا اور کوئی چیز اس سے نجات دلانے والی نہیں بن سکتی تھی۔ 'وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ' یعنی 'وَنَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ' جس طرح اوپر آیت ۵۸ میں ہے۔ 'وَنَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ' وہاں فعل کو ظاہر کر دیا ہے۔ یہاں قرینہ کی موجودگی کے سبب سے حذف کر دیا۔ مطلب یہ ہے کہ یہ نہ سمجھو کہ 'امر' کو کسی معمولی آفت

قریش کو تنبیہ آنحضرت صلعم کو تسلی

نسے نجات بخشی بلکہ اس دن کی رسوائی سے نجات بخشی جس کی رسوائی معروف خواص و عوام ہے۔ یہ امر بھی یہاں ملحوظ رہے کہ رسول کی تکذیب کے نتیجہ میں جب کسی قوم پر عذاب آیا ہے تو وہ کامل تذکیر و تبلیغ اور کامل اتمام حجت کے لیے ان لوگوں پر آیا ہے جو اپنے غرور کے سبب سے کسی بات کو سننے اور سمجھنے کے لیے تیار ہی نہیں ہوتے تھے اس وجہ سے اس کا نمایاں پہلو یہ بھی رہا ہے کہ اس نے ان کو صرف پامال ہی نہیں کیا بلکہ آخری درجہ میں ذلیل اور رسوا کر کے بھی رکھ دیا۔ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پیام تسکین و تسلی ہے کہ قوت اور عزت کا اصل مالک تو تیرا رب ہی ہے۔ اگر اس میں سے کسی کو کوئی حصہ نصیب ہوتا ہے تو اسی کی عنایت سے نصیب ہوتا ہے تو تم مطمئن رہو جس طرح اس نے صالح کے دشمنوں کو ذلیل و پامال کر کے رکھ دیا اسی طرح تمہارے دشمنوں کو بھی ایک دن رسوا کر دے گا اور کوئی اس کا ہاتھ پکڑنے والا نہیں بن سکے گا۔

وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۙ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۭ اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَا۟ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ۭ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ (۶۷-۶۸)

قومِ ثمود پر عذاب کی نوعیت

صَيْحَة کے معنی ڈانٹ کے ہیں۔ اس سے مراد وہ عذاب ہے جو قومِ ثمود پر آیا چونکہ لحاظ لفظ کا نہیں بلکہ مفہوم کا ہوا اس وجہ سے فعل اس کے لیے مذکر استعمال ہوا۔ اس قوم پر اللہ تعالیٰ نے سرما کی بادِ صرصر اور کڑک دمک اولے اور زلزلے کا عذاب بھیجا۔ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے کے پڑے رہ گئے اور اس طرح بے نام و نشان ہوئے گویا کبھی ان میں بسے ہی نہیں۔ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ یہ اظہار نفرت و لعنت کا جملہ ہے۔ اس کی وضاحت اوپر ہو چکی ہے۔

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا ۭ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ (۶۹)

حضرت لوطؑ اور قوم لوط کی سرگزشت

اب آگے حضرت لوطؑ اور ان کی قوم کی سرگزشت آرہی ہے۔ یہ آیت اس سرگزشت کی تمہید کے طور پر یہاں وارد ہوئی ہے اس لیے کہ جو فرشتے قومِ لوط کے لیے عذاب لے کے آئے تھے وہی حضرت ابراہیمؑ کے لیے بیٹے اور پوتے کی بشارت بھی لے کے آئے تھے۔ رُسُل سے مراد یہاں وہی فرشتے ہیں۔ بُشْرٰی سے مراد جیسا کہ آگے آیت ۷۱ میں تصریح ہے، حضرت اسحٰقؑ اور پھر ان سے حضرت یعقوبؑ کی ولادت کی خوش خبری ہے۔

قَالُوْا سَلٰمًا قَالَ سَلٰمٌ یعنی انھوں نے صالح اور شائستہ لوگوں کی طرح حضرت ابراہیمؑ کو سلام کیا۔

حضرت ابراہیمؑ کی میزبانی فرشتوں کے لیے

اور حضرت ابراہیمؑ نے بھی ان کے سلام کا جواب دیا، اور چونکہ وہ انسانی بھیس میں تھے اس وجہ سے حضرت ابراہیمؑ فوراً ان کی میزبانی کی فکر میں لگ گئے۔ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ اور زیادہ دیر نہیں گزری کہ انھوں نے ان کے آگے بھنا ہوا بچھڑا پیش کر دیا۔ اس سے حضرت ابراہیمؑ کی فیاضی اور مسافر نوازی کا اندازہ ہوتا ہے کہ چند آدمی دروازے پر آتے ہیں، جن سے دید و شنید کچھ بھی نہیں لیکن وہ بلا تاخیر ان کے لیے گلے سے بچھڑا ذبح کرا دیتے ہیں اور اس کا بھنا ہوا گوشت ان کے آگے پیش کر دیتے ہیں۔ عِجْل کے لفظ سے یہ لازم نہیں آتا کہ

مسلّم بھنا ہوا بچھڑا پیش کیا گیا ہو بلکہ زبان کا یہ معروف اسلوب ہے کہ کبھی کُل بول کر اس سے مراد جز و لیتے ہیں اس وجہ اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کے آگے انھوں نے بچھڑے کا بھنا ہوا گوشت پیش کیا ہو۔ یہ امر بیاں ملحوظ رہے کہ بدویانہ دورِ زندگی میں یہ ضیافت نہایت فیاضانہ تھی کہ تین آدمیوں کی میزبانی کے لیے حضرت ابراہیمؑ نے گلے کا ایک بچھڑا ذبح کرا دیا۔ ان کی اس فیاضی کو نمایاں کرنے کے لیے گوشت کے بجائے بچھڑے کا ذکر فرمایا۔

فَلَمَّا رَاٰۤ اَیۡدِیَهُمۡ لَا تَصِلُ اِلَیۡهِ نَکِرَهُمۡ وَاَوۡجَسَ مِنۡهُمۡ خِیۡفَةً ؕ قَالُوۡا لَا تَخَفۡ اِنَّاۤ اُرۡسِلۡنَاۤ اِلٰی قَوۡمِ لُوۡطٍ (۷۰)

حضرت ابراہیمؑ کی تشویش اور فرشتوں کی اطمینان دہانی

اب تک حضرت ابراہیمؑ کو یہ گمان تھا کہ قرب و جوار کے کسی علاقے کے چند شریف اور صالح آدمی ہیں لیکن ان کی اتنی محنت اور اتنے ذوق و شوق سے تیار کی ہوئی ضیافت کی طرف جب انھوں نے ہاتھ نہیں بڑھایا تو قدرتاً انھوں نے کچھ بیگانگی محسوس کی اور دل ہی دل میں کچھ ڈرے کہ یہ کیا بات ہے۔ انھوں نے ان کی ضیافت قبول نہیں کی۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ میں نے ان کو آدمی سمجھا اور وہ فرشتے ہوں۔ اور اگر یہ فرشتے ہیں تو لازماً یہ کسی بڑی مہم پر نکلے ہوں گے اس لیے کہ فرشتوں کا ظہور کسی بڑی مہم ہی کے لیے ہوا کرتا ہے۔ اس موقع پر ان کے ذہن میں قدرتی طور پر قومِ لوطؑ کا بھی خیال آیا ہو گا جو پاس ہی حضرت لوطؑ کی جدوجہد کے علی الرغم اپنے طغیان کے اس مرحلے میں داخل ہو چکی تھی جس کے بعد لازماً خدا کا عذاب آ جایا کرتا ہے۔ فرشتوں نے یہ محسوس کر کے کہ حضرت ابراہیمؑ تشویش میں پڑ گئے ہیں ان کو تسلی دی کہ آپ کسی تشویش میں مبتلا نہ ہوں، ہم قومِ لوطؑ کی طرف بھیجے گئے ہیں اور قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی موقع پر انھوں نے ان کو بیٹے کی بشارت سنائی۔

وَامۡرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِکَتۡ فَبَشَّرۡنٰهَا بِاِسۡحٰقَ ۙ وَمِنۡ وَّرَآءِ اِسۡحٰقَ یَعۡقُوۡبَ ﴿۷۱﴾ قَالَتۡ یٰوَیۡلَتٰۤی ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوۡزٌ وَّهٰذَا بَعۡلِیۡ شَیۡخًا ؕ اِنَّ هٰذَا لَشَیۡءٌ عَجِیۡبٌ (۷۱-۷۲)

حضرت سارہ کی حیرت اور مسرت

سرگزشت کا آغاز جَآءَتۡ رُسُلُنَاۤ اِبۡرٰهِیۡمَ بِالۡبُشۡرٰی سے ہوا تھا لیکن مہمانوں کو دیکھتے ہی معاً حضرت ابراہیمؑ ان کی خاطر و مدارات کے اہتمام میں لگ گئے۔ اس وجہ سے بشارت کے سننے کی نوبت اب آئی اور اس وقت ان پر یہ انکشاف ہوا کہ جن کو وہ آدمی سمجھتے تھے وہ آدمی نہیں بلکہ فرشتے ہیں۔ جس وقت فرشتوں نے بشارت سنائی حضرت ابراہیمؑ کی بیوی سارہ بھی دروازے سے لگی کھڑی تھیں۔ فَضَحِکَتۡ لیعنی یہ بشارت سن کر وہ ہنسیں۔ یہ ہنسی حیرت، تعجب اور مسرت کے گوناگوں جذبات کا مظہر تھی۔ اس تعجب کا اظہار انھوں نے جن لفظوں میں فرمایا اس کا حوالہ آگے آ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت ان کے اس مسرت آمیز اظہارِ حیرت پر مزید جوش میں آ گئی۔ چنانچہ ان کو براہِ راست مخاطب کر کے صرف بیٹے ہی کی نہیں بلکہ تعین نام کے ساتھ بیٹے اور اس سے آگے پوتے کی بھی بشارت دے دی گئی فَبَشَّرۡنٰهَا بِاِسۡحٰقَ وَمِنۡ وَّرَآءِ اِسۡحٰقَ یَعۡقُوۡبَ۔ فَبَشَّرۡنٰهَا میں عنایتِ خاص اور تکمیلِ مسرت کے جو گوناگوں پہلو ملحوظ ہیں وہ محتاجِ بیان نہیں اور بیٹے کے ساتھ پوتے کی بشارت نے گویا یہ اطمینان بھی دلا دیا کہ بیٹا زندہ

رہے گا، اچھی عمر پائے گا اور اس کی صلب سے نامور پوتا بھی پیدا ہو گا۔ "قَالَتْ يٰوَيْلَتٰى .... الاٰية" یہ حضرت سارہ کے اظہارِ تعجب کی تفصیل ہے جس کی طرف اوپر 'فَضَحِكَتْ' کے لفظ سے اشارہ فرمایا تھا۔ وہ خاص نسوانی انداز میں بولیں، ہائے شامت! کیا اب میں بچہ جنوں گی جب کہ بڑھیا بانجھ ہو چکی ہوں اور یہ میرے میاں بھی بوڑھے ہو چکے ہیں؛ یہ تو نہایت ہی عجیب بات ہو گی!! بظاہر یہ فقرہ اظہارِ تعجب کا ہے لیکن اس کے لفظ لفظ کے اندر سے جو باطنی خوشی جھلک رہی ہے وہ محتاجِ وضاحت نہیں ہے۔ حضرت سارہ کے اظہارِ تعجب کا ایک خاص پہلو یہ ہے کہ اس بشارت کے ظہور کی راہ میں جو ظاہری رکاوٹیں ہیں ان کا ذکر کر کے یہ اطمینان حاصل کر لیں کہ ان کے باوجود یہ پوری ہو کے رہے گی۔

قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ۭ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ (۷۳)

فرشتوں کی اطمینان دہانی

'اَتَعْجَبِيْنَ' کے لفظ سے صاف واضح ہے کہ فرشتوں نے حضرت سارہ کی ہنسی اور ان کے فقرے کو اس کے بالکل صحیح یعنی اظہارِ تعجب کے مفہوم میں لیا اور نہایت ادب و احترام کے انداز میں انہوں نے حضرت سارہ کو توجہ دلائی کہ اے اہلِ بیتِ نبی خدا کے کسی کام اور اس کے کسی ارادہ پر تعجب کی کہاں گنجائش ہے، پھر آپ پر تو اس کے خاص افضال اور اس کی خاص رحمتیں اور برکتیں ہیں، وہ بڑا ہی سزاوارِ حمد اور بڑا ہی بزرگ و برتر ہے —— 'رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ' میں 'عَلَيْكُمْ' ضمیر مذکر جمع کا استعمال عربی زبان کے شائستہ اندازِ خطاب کی مثال ہے۔ عورتوں کے اس اندازِ خطاب میں پردہ داری اور احترام کی جو شان ہے وہ محتاجِ اظہار نہیں۔ قرآن مجید اور کلامِ عرب میں اس کی نہایت واضح اور لطیف مثالیں موجود ہیں۔ سورۂ احزاب میں ہے۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ	اللہ چاہتا ہے کہ تم سے دور کرے ناپاکی کو اے اہلِ بیتِ نبی
اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا۔	اور تم کو پاک کرے اچھی طرح۔

امراء القیس کا ایک شعر بھی قابلِ ذکر ہے:-

فلو کان اهل الدار فیها کعهدنا ... وجدت مقیلا عند هود معرسا

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ (۷۴)

قومِ لوط کے لیے حضرت ابراہیمؑ کی سفارش

'يُجَادِلُنَا' یعنی 'صَارَ يُجَادِلُنَا' مضارع سے پہلے فعل ناقص کے حذف کر دینے کی متعدد مثالیں پیچھے گزر چکی ہیں۔ آیت ۳۸ میں 'وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ' بھی اسی اسلوب پر ہے۔ لفظ 'مجادلہ' یہاں مجادلۂ حسن کے مفہوم میں ہے۔ یعنی حسنِ ادب اور محبت و اعتماد کے ساتھ کسی سے اپنی بات باصرار و الحاح منوانے کی کوشش کرنا۔ حضرت ابراہیمؑ پر جب تک فرشتوں کا اصل منصوبہ واضح نہیں ہوا تھا اس وقت تک تو وہ متردد اور فکرمند رہے لیکن جب ان کو بیٹے کی بشارت مل گئی اور خود اپنے باب میں اطمینان ہو گیا تو انھیں قومِ لوط کی فکر ہوئی اور وہ ان کے باب میں اللہ تعالیٰ سے سفارش میں لگ گئے اور اپنی بات منوانے کے لیے سارے جتن کر ڈالے۔ ہم تورات سے اس مجادلہ کی تفصیل نقل کرتے ہیں تاکہ کچھ اندازہ ہو سکے کہ کس نوعیت کا مجادلہ اللہ تعالیٰ کی نگاہوں میں پسندیدہ ہے۔

پر ابراہام خداوند کے حضور کھڑا ہی رہا۔ تب ابراہام نے نزدیک جاکر کہا کیا تو نیک کو بد کے ساتھ ہلاک کرے گا؟ شاید اس شہر میں پچاس راست باز ہوں۔ کیا تو اسے ہلاک کرے گا اور ان پچاس راستبازوں کی خاطر جو اس میں ہوں اس مقام کو نہ چھوڑے گا؟ ایسا کرنا تجھ سے بعید ہے کہ نیک کو بد کے ساتھ مار ڈالے اور نیک بد کے برابر ہو جائیں۔ یہ تجھ سے بعید ہے۔ کیا تمام دنیا کا انصاف کرنے والا انصاف نہ کرے گا اور خداوند نے فرمایا کہ اگر مجھے سدوم میں شہر کے اندر پچاس راست باز ملیں تو میں ان کی خاطر اس مقام کو چھوڑ دوں گا۔

تب ابراہام نے جواب دیا، کہا کہ دیکھئے! میں نے خداوند سے بات کرنے کی جرأت کی اگرچہ میں راکھ اور خاک ہوں، شاید پچاس راست بازوں میں پانچ کم ہوں۔ کیا ان پانچ کی کمی کے سبب سے تو تمام شہر کو نیست کر دے گا؟ اس نے کہا اگر مجھے وہاں پینتالیس ملیں تو میں اسے نیست نہیں کروں گا۔ پھر اس نے کہا کہ شاید وہاں چالیس ملیں۔ تب اس نے کہا کہ میں ان چالیس کی خاطر بھی یہ نہیں کروں گا۔ پھر اس نے کہا کہ خداوند ناراض نہ ہو تو میں کچھ اور عرض کروں۔ شاید وہاں تیس ملیں۔ اس نے کہا اگر مجھے وہاں تیس بھی ملیں تو بھی میں ایسا نہیں کروں گا۔ پھر اس نے کہا دیکھیے! میں نے خداوند سے بات کرنے کی جرأت کی، شاید وہاں بیس ملیں۔ اس نے کہا میں بیس کی خاطر بھی اسے نیست نہیں کروں گا۔ تب اس نے کہا۔ خداوند ناراض نہ ہو تو میں ایک بار اور کچھ عرض کروں۔ شاید وہاں دس ملیں۔ اس نے کہا میں دس کی خاطر بھی اسے نیست نہیں کروں گا۔

(پیدائش باب ۱۸: ۲۳-۳۲)

حضرت ابراہیمؑ کا اپنے رب کے ساتھ یہ محادلہ اپنے اندر محبت، اعتماد، ناز اور دردمندی و ہمدردی کے جو پہلو سمیٹے ہوئے ہے زبان قلم ان کی تعبیر و تشریح سے قاصر ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس پر حضرت ابراہیمؑ کی تحسین فرمائی۔

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ (۷۵)

حضرت ابراہیمؑ کی دردمندی

'اَوَّاهٌ' آہ سے مبالغہ کا صیغہ ہے جس کا لغوی مفہوم ہے کثرت سے آہ آہ کرنے والا یعنی نہایت دردمند، نہایت غم خوار اور صاحبِ سوزِ دل۔ جب حضرت ابراہیمؑ قومِ لوط جیسی ناہنجار قوم کی سفارش میں اس طرح اپنے دل کو نچوڑ کر رکھ دیتے ہیں تو ان کے حلم اور ان کی دردمندی میں کیا شک کی گنجائش رہی اور کمالِ انابت کی اس سے بڑھ کر اور کیا مثال ہو سکتی ہے کہ بظاہر معلوم ہے کہ اب قومِ لوط کا پیمانہ لبریز ہے لیکن وہ برابر دعا اور التجا میں سرگرم ہیں۔

يٰٓاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ وَاِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ (۷۶)

حضرت ابراہیمؑ کو جواب

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کی اس ہمدردی و دردمندی اور اس دعا و التجا کی تو تعریف فرمائی لیکن ساتھ ہی آگاہ بھی فرما دیا کہ اب دعا و سفارش کا وقت گزر چکا ہے۔ 'اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ' اب تیرے رب کا حکم یعنی حکمِ عذاب آچکا ہے اور ان پر نہ ٹلنے والا عذاب اب آکے رہے گا۔ 'عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ' سے ایک تو اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ یہ عذاب

کوئی تنبیہی نوعیت کا نہیں ہے کہ محض تنبیہ کر کے گزر جائے بلکہ فیصلہ کن عذاب ہے جو ان کی کمر توڑ کر رکھ دے گا۔ دوسرے اس بات کی طرف بھی اس میں اشارہ ہے کہ یہ عذاب کسی کے ٹالے ٹل نہیں سکے گا اس لیے کہ حکم الٰہی کے مقابلے کی طاقت کسی میں بھی نہیں ہے۔

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِيٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيبٌ (۷۷)

فرشتوں کی آمد پر حضرت لوطؑ کی تشویش

حضرت ابراہیمؑ کو بشارت پہنچانے اور قوم لوطؑ کے انجام سے باخبر کرنے کے بعد یہ فرشتے حضرت لوطؑ کے پاس پہنچے۔ حضرت لوطؑ نے جب دیکھا کہ چند خوبرو نوجوان دروازے پر ہیں تو وہ سخت منقبض اور دل تنگ ہوئے۔ دل میں کہا کہ آج کا دن تو بڑا کٹھن دن ہوگا۔ اس انقباض و پریشانی کی وجہ ظاہر ہے کہ جب قوم کی قوم اس فساد اخلاق میں مبتلا ہو جس میں حضرت لوطؑ کی قوم مبتلا تھی تو ایسے خوش شکل نو واردوں کا دروازے پر آنا گویا شہر کے سارے غنڈوں کو دعوت دینے کے ہم معنی تھا۔

وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ۭ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۭ قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَاۗءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ ۭ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ (۷۸)

حضرت لوطؑ کی فریاد

چنانچہ ان کا اندیشہ بالکل صحیح ثابت ہوا۔ جب اوباشوں نے دیکھا کہ حضرت لوطؑ کے دروازے پر چند خوبرو لڑکے آئے ہوئے ہیں تو جھپٹے ہوئے پہنچے۔ حضرت لوطؑ نے ان کے تیور دیکھے تو فرمایا "يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَاۗءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ" یہ پیشکش نہیں بلکہ اپنی قوم کے ضمیر کو جگانے اور جھنجھوڑنے کے لیے گویا حضرت لوطؑ کی آخری بیتابانہ فریاد تھی کہ وہ سوچیں کہ ایک اللہ کا بندہ یہ ہے جو اپنے مہمانوں کی عزت کے معاملے میں اتنا حساس ہے کہ اس کے لیے اپنی عزیز سے عزیز شے کو قربان کرنے پر تیار ہے اور ایک ہم ہیں کہ اندھے ہو کر اس کے مہمانوں پر ٹوٹ پڑے ہیں۔ اسی طرح انھوں نے اللہ کا خوف بھی یاد دلایا اور آخر میں اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ کہہ کر گویا پوری طرح ان پر حجت تمام کر دی۔ اس لیے کہ کسی کے اندر رائی برابر بھی حق کی حمیت و حمایت کا احساس ہوتا تو اس فقرے کے بعد تو اس کو ضرور حرکت میں آ جانا تھا لیکن جب اس کے بعد بھی کوئی ضمیر بیدار نہیں ہوا تو اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ کسی کے اندر جس انسانیت و شرافت سرے سے باقی ہی نہیں رہ گئی تھی۔

قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ (۷۹)

قوم لوطؑ کی ضد

وہ جواب میں بولے کہ زیادہ بات کو بڑھانے اور الجھانے سے کیا فائدہ۔ تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ ہمیں کوئی حق حاصل نہیں ہے کہ ہم تمہاری لڑکیوں پر ہاتھ ڈالیں۔ ہم جو کچھ چاہتے ہیں وہ تم سے مخفی نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خواہ مخواہ ہماری اس خواہش میں مزاحم کیوں ہوتے ہو؟ ہم جو کچھ چاہتے ہیں کر لینے دو۔

قَالَ لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِيْٓ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ (۸۰)

حضرت لوطؑ کی طرف سے قوم کے ضمیر کو جھنجھوڑنے کی آخری کوشش

حضرت لوطؑ کی زبان سے یہ فقرہ انتہائی اضطراب اور غنڈوں کے رویے سے آخری درجے میں مایوس ہو جانے کے بعد نکلا ہے۔ فرمایا کہ کاش! میرے پاس یا تو خود اپنی اتنی قوت و جمعیت ہوتی کہ تم سے نبٹ سکتا یا کوئی ایسا صاحب جمعیت اور بااثر شخص ہی ہوتا کہ میں اس کی پناہ لے

لے سکتا اور وہ مجھے تمہاری چیرہ دستیوں سے بچا سکتا۔ یہ آخری فقرہ بھی حضرت لوطؑ نے قوم کے ضمیر کو جھنجھوڑنے کے لیے فرمایا۔ یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ عرب میں کسی مصیبت زدہ اور مظلوم کو پناہ دینا، جب کہ وہ طالب پناہ ہو بڑے شرف کی بات سمجھی جاتی تھی اور اسی طرح کسی طالب پناہ کو پناہ نہ دینا انتہائی رذالت کی دلیل تھی حضرت لوطؑ نے یہ فقرہ فرما کر گویا آخری حجت بھی تمام کر دی۔ اس حجت کے تمام ہو جانے کے بعد فرشتوں نے حقیقت سے پردہ اٹھا دیا اور بولے۔

قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ ۭ اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ ۭ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ۭ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ (۸۱)

فرشتوں نے پردہ اٹھا دیا

بولے اے لوطؑ، تم پریشان نہ ہو، ہم چھوکرے نہیں ہیں جیسا کہ یہ شیاطین سمجھے ہوئے ہیں، بلکہ ہم تیرے رب کے فرستادے ہیں۔ یہ ہرگز تم تک نہیں پہنچ سکتے۔ تو یوں کرو کہ راتوں رات اس بستی سے اپنے اہل و عیال سمیت نکل جاؤ اور تم میں سے کوئی پیچھے مڑ کے بھی نہ دیکھے۔ ان، تمہاری بیوی تمہارے اہل سے مستثنیٰ ہے۔ اس پر بھی وہی آفت آنی ہے جو پوری قوم کے لیے مقدر ہو چکی ہے۔ ان کے لیے وقت موعود صبح کا وقت ہے۔ کیا صبح کا وقت قریب نہیں ہے؟

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ڏ مَّنْضُوْدٍ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ۭ وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ (۸۲-۸۳)

عذاب الٰہی

یعنی جب ہمارا حکم آپہنچا تو ہم نے ان پر ایسی تند آندھی بھیجی کہ اس نے ان کے مکانوں کو بالکل تلپٹ کر کے رکھ دیا۔ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ، 'سِجِّيْل' سنگ گل کا معرب ہے۔ یعنی ہم نے ان کی بستی پر خوب سنگ گل کی تہ بہ تہ بارش کر دی۔ مُسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ۔ وہ تیرے رب کے پاس نشان لگائے ہوئے یعنی خدا کے علم اور اس کی قدرت میں پہلے سے مقدر اور مقرر تھے۔ گویا ان کے چھٹے لگا کر پہلے سے ان پر نشان لگا دیا گیا تھا کہ یہ چھٹے قوم لوطؑ کی بستی پر برسانے کے لیے ہیں۔ وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ۔ اور یہ سنگ گل کے چھٹے ان ظالموں سے کچھ دور بھی نہ تھے کہ ان کو وہاں سے اٹھا کر لانے میں کچھ وقت لگتا بلکہ وہیں ان کے پاؤں کے نیچے ہی سے ہماری بھیجی ہوئی باد تند (حاصب) نے اٹھایا اور ان کے سروں پر برسا دیا۔

'ظالمین' سے مراد قریش ہیں

اس ٹکڑے کی تاویل میں اس کی بھی گنجائش ہے کہ 'ھی' کا مرجع لوطؑ کی بستی کو سمجھا جائے اور 'ظالمین' سے قریش مراد لیے جائیں۔ مطلب یہ کہ لوطؑ کی بستی قریش سے کچھ دور بھی نہیں، وہ اپنے سفر شام میں اسی بستی پر سے گزرتے ہیں۔ اگر دیدۂ عبرت نگاہ رکھتے ہیں تو اس سے عبرت حاصل کریں۔ آگے آیت ۸۹ میں حضرت شعیبؑ نے اپنی قوم کو مخاطب کر کے فرمایا ہے۔ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ۔

قوم لوط کے عذاب کی نوعیت

قوم لوط کے عذاب کے بارے میں مولانا فراہیؒ کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے۔

"قوم لوط پر اللہ تعالیٰ نے غبار انگیز ہوا بھیجی جو سخت ہو کر بالآخر حاصب دنگر پتھر برسانے والی تند آندھی بن گئی۔ اس سے اول تو ان کے اوپر کنکروں پتھروں کی بارش ہوئی۔ پھر اس نے اس قدر شدت اختیار کر لی کہ

اس کے زور سے ان کے مکانات بھی الٹ گئے۔ چنانچہ انہی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا (ان میں سے بعض قوموں پر ہم نے کنکر برسانے والی آندھی بھیجی) نیز فرمایا ہے فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ مَّنْضُوْدٍ (پس ہم نے اس بستی کو تلپٹ کر دیا اور ان کے اوپر تہ بر تہ سنگ گل کے پتھروں کی بارش کی) یعنی ایسی تند ہوائیں چلیں کہ ان کے مکانات اور چھتیں سب زمین کے ہموار ہو گئیں اور اوپر سے کنکریوں اور ریت نے ان کو ڈھانک لیا۔

(تفسیر سورۂ ذاریات فراہیؒ۔ فصل ۱۵)

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۚ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ (۸۴)

قوم شعیب کے فساد کی نوعیت

اس امر کی وضاحت اوپر ہو چکی ہے کہ ہر قوم کے اندر انہی میں سے انہی کے ایک بھائی کو رسول بنا کر مبعوث کرنے میں اتمام حجت کے نقطۂ نظر سے کیا مصلحت ہے؟ اور یہ حقیقت بھی اچھی طرح واضح ہو چکی ہے کہ توحید کو تمام انبیاء کی دعوت میں مرکز ثقل اور محوری نقطہ کی حیثیت حاصل ہے۔ اس سے انحراف تمام انحرافات کے دروازے کھولتا ہے اور اسی کی طرف بازگشت سے صراط مستقیم کی ہدایت نصیب ہوتی ہے۔ چنانچہ اسی نقطہ سے حضرت شعیبؑ نے بھی اپنی دعوت کا آغاز فرمایا اور پھر اپنی قوم کی اس برائی کی اصلاح کی طرف توجہ فرمائی جو پوری قوم میں نہ صرف یہ کہ عام ہو چکی تھی بلکہ وہ برائی کے بجائے ہنر اور قابلیت اور حق و صواب سمجھی جانے لگی تھی۔ ان کی قوم — اہل مدین —— تجارت پیشہ قوم تھی۔ اس وجہ سے ان کا فساد مزاج سب سے زیادہ اسی میدان میں ابھرا اور ناپ تول میں کمی کرنے کو اپنا پیشہ ورانہ ہنر بنا لیا۔ اس فن کے ایک سے ایک بڑھ کر ماہر ان میں پیدا ہونے لگے اور کسی کے اندر اس امر کا احساس بھی باقی نہیں رہا کہ یہ ترقی و کامرانی کی راہ نہیں بلکہ فساد فی الارض کی راہ ہے۔ حضرت شعیبؑ نے ان کو اس کی اصلاح کی دعوت دی فرمایا، وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ لوگو، ناپ تول میں کمی نہ کرو، میں اس وقت تمہیں رفاہیت اور خوش حالی میں دیکھ رہا ہوں اور میں تم پر ایک ایسے دن کے عذاب کا اندیشہ رکھتا ہوں جو تمہیں بالکل اپنے گھیرے میں لے گا۔ مطلب یہ ہے کہ اس وقت تمہیں جو رفاہیت و خوش حالی حاصل ہے اس کا فطری تقاضا یہ ہے کہ تم زیادہ سے زیادہ اپنے رب کے شکر گزار اور اس کے قانون عدل و قسط کے فرمانبردار بنو۔ اللہ تعالیٰ رفاہیت و خوش حالی بخشتا ہی کسی قوم کو اس لیے ہے کہ دیکھے کہ وہ قوم خدا کی شکر گزار بنتی ہے یا ناشکری اور نافرمانی کی راہ اختیار کرتی ہے۔ اگر وہ یہ دوسری راہ اختیار کر لیتی ہے تو یہی خوش حالی و رفاہیت اس کے لیے ایک عذاب کا دیباچہ بن جاتی ہے جو اس طرح گھیر لیتا ہے کہ پھر کوئی بھی اس کے گھیرے سے باہر نہیں نکل سکتا۔ میں تمہارے موجودہ موٹاپے کے اندر اسی مرگ ناگہانی کے آثار دیکھ رہا ہوں تو تم جلد سے جلد اپنی خبر لو۔

وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ (۸۵)

'قسط' کے معنی عدل و انصاف کے ہیں۔ یعنی ناپ ہو یا تول دونوں میں پورے پورے عدل و انصاف کو مدنظر رکھو۔ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ، اور لوگوں کے ساتھ ان کی چیزوں کی ناپ تول میں کوئی ناانصافی اور کمی نہ کرو۔ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ یعنی زمین میں بڑھو تو خیر و صلاح اور عدل و قسط کے حامل اور علم بردار بن کر بڑھو، اس کے عدل و قسط کو درہم برہم کرنے والے اور اس میں فساد برپا کرنے والے بن کر نہ بڑھو۔ اس طرح کے بڑھنے کو اس زمین کا خالق و مالک بس ایک خاص حد ہی تک مہلت دیتا ہے۔ اس مہلت کے گزرتے ہی وہ ایسے مفسدین سے اپنی زمین کو پاک کر دیتا ہے۔

حضرت شعیب کی دعوت اصلاح

بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ (۸۶)

'بَقِيَّتُ اللّٰهِ' سے مراد جائز نفع ہے اگر ایک تاجر ناپ تول میں ٹھیک ٹھیک عدل کو ملحوظ رکھے، جھوٹ، فریب، ملاوٹ اور اس قسم کے دوسرے ہتھکنڈوں سے بچے، دوسروں کی ریس میں غلط راستے نہ اختیار کرے تو گو وہ اتنا زیادہ منافع نہ لوٹ سکے جتنا دوسروں نے، جنھوں نے حرام و حلال کی تمیز اٹھا دی، لوٹا ہو لیکن اس کا حاصل کیا ہوا نفع 'بَقِيَّتُ اللّٰهِ' کی حیثیت رکھتا ہے اور وہ قلیل بھی ہو تو دوسروں کے کثیر سے ہزار درجہ افضل ہے اس لیے کہ اس میں دنیا اور آخرت دونوں میں برکت ہوگی۔ اس کے برعکس بے ایمانی کا حاصل کیا ہوا نفع دنیا میں بے برکت اور آخرت میں دہکتی ہوئی آگ بنے گا۔ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ، یعنی میں نے نیک و بد تمھیں اچھی طرح سمجھا دیا اور یہی میری ذمہ داری تھی۔ مانو گے تو اس میں تمھارا ہی فائدہ ہے۔ نہ مانو گے تو تمھی اس کا انجام بد دیکھو گے، مجھے اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ میں تو صرف ایک منذر و مبشر ہوں، تم پر کوئی نگران اور داروغہ نہیں مقرر ہوا ہوں کہ تمھارے ایمان نہ لانے کی پرسش مجھ سے ہو۔

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ۭ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ (۸۷)

حضرت شعیبؑ پر قوم کا طنز

یہ پورا فقرہ طنزیہ انداز میں ہے۔ وہ بولے کہ کیا تمھاری نماز تمھیں یہی سکھاتی ہے کہ جن معبودوں کو ہمارے باپ دادا پوجتے آئے ہم ان کی عبادت ترک کر دیں اور اپنے مال میں اپنے صواب دید کے مطابق تصرف نہ کریں۔ تمھاری ان باتوں سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمھاری نگاہ میں سب اگلے پچھلے بے وقوف اور گمراہ تھے، بس تم ہی ایک دانا و بینا اور راہ یاب رہ گئے ہو۔ مطلب یہ کہ تم نماز وغیرہ پڑھتے تھے تو اس سے خیال تو یہ ہوتا تھا کہ تم سے باپ دادا کا نام بھی روشن ہوگا اور قوم کے لیے بھی کچھ کامیابی کی راہیں کھلیں گی مگر خوب نکلی تمھاری یہ نماز کہ وہ ماضی و حاضر سب کی بساط لپیٹ کر رکھ دینا چاہتی ہے۔ یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ حضرت شعیبؑ کی نیک اور پاکیزہ زندگی سے چونکہ مفسدین کو اندیشہ تھا کہ وہ لوگ متاثر ہوں گے جو بالطبع نیک ہیں اس وجہ سے انھوں نے ان کی نیکیوں ہی کو اپنے طنز کا ہدف بنا لیا گویا سارے فساد کی جڑ وہی ہیں۔

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰي بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ۭ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ

أَخَالِفَكُمْ إِلَىٰ مَآ أَنْهَىٰكُمْ عَنْهُ ۚ إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ۚ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ (۸۸)

'بینۃ' اور 'رزق حسن' سے مراد

لفظ 'بَيِّنَةٌ' کی تحقیق اور آیت ۶۳ کے تحت گزر چکی ہے۔ اس سے مراد وہ اذعان و اعتقاد ہے جو ہر فطرت سلیم کے اندر اللہ تعالیٰ نے ودیعت فرمایا ہے اور جو انسان کی رہنمائی صراط مستقیم کی طرف کرتا ہے بشرطیکہ انسان نے غلط ماحول کے اثرات سے متاثر ہو کر اپنی فطرت مسخ نہ کر لی ہو۔ 'رَزَقَنِي مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا'، 'رزق حسن' سے یہاں اسی چیز کو تعبیر فرمایا ہے جس کو مذکورہ بالا آیت ۶۳ میں 'رَحْمَةً' سے تعبیر فرمایا ہے یعنی وحی الٰہی۔ وحی الٰہی کو 'رزق حسن' سے تعبیر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح مادی رزق انسان کی مادی زندگی کے باقی رہنے کے لیے ضروری ہے اسی طرح 'وحی الٰہی' کا رزق حسن انسان کی روحانی زندگی کے لیے ضروری ہے۔ سیدنا مسیحؑ نے اسی حقیقت کو یوں تعبیر فرمایا ہے کہ انسان صرف روٹی سے نہیں جیتا بلکہ اس کلمہ سے جیتا ہے جو خداوند کی طرف سے آتا ہے۔

پہلے جملہ میں جواب شرط محذوف ہے۔ اگر اس محذوف کو آیت ۶۳ کی روشنی میں، جو بعینہٖ اسی مضمون کی آیت ہے، کھول دیا جائے تو پوری بات گویا یوں ہوگی 'بتاؤ' اگر میں اپنے رب کی جانب سے ایک روشن دلیل پر ہوں، پھر اس نے مجھے اپنی جانب سے رزق حسن سے بھی نوازا تو اس کے بعد بھی اگر میں اس کی راہ سے ہٹ کر چلوں تو مجھے خدا کے غضب سے بچانے والا کون بنے گا؟' مطلب یہ کہ میں یہ جو کچھ تمھیں بتا رہا ہوں تم اس کو تصنع اور بناوٹ پر محمول کر کے مجھے طنز و تحقیر کا ہدف بنا رہے ہو، لیکن میں کیا کروں؟ یہی میری فطرت کی آواز پہلے سے تھی اور پھر اسی کو مدلل اور مبرہن کرتی ہوئی مجھ پر میرے رب نے وحی بھی اتاری تو اگر میں تمھارے سامنے یہ نہ پیش کروں تو اور کیا پیش کروں؟ 'وَمَآ أُرِيدُ أَنْ أُخَالِفَكُمْ إِلَىٰ مَآ أَنْهَىٰكُمْ عَنْهُ' یعنی یہ بدگمانی نہ کرو کہ میں جو تمھیں ناپ تول میں بے ایمانی سے روک رہا ہوں تو یہ چاہتا ہوں کہ تمھیں اس سے روک کر یہی کام خود کروں اور اس طرح تمھیں بازار سے بے دخل کر کے خود بازار پر قابض بن بیٹھوں۔ ممکن ہے حضرت شعیبؑ اپنی معاش کے لیے کوئی چھوٹی موٹی تجارت خود بھی کرتے رہے ہوں۔ اس چیز سے شریروں نے فائدہ اٹھا کر یہ اشتعلا چھوڑا ہو کہ یہ شخص جو اس شد و مد سے ناپ تول میں ایمانداری کا وعظ سنا رہا ہے اس سے اس کی غرض صرف یہ ہے کہ ہم تو ایمان داری کے ہو کے رہ جائیں اور یہ اپنی من مانی کر کے پورے بازار پر قبضہ کر لے۔ حضرت شعیبؑ نے ان کی یہ بدگمانی دور کرنے کی کوشش کی کہ میں جس بات سے تمھیں روک رہا ہوں اس لیے نہیں روک رہا ہوں کہ اس پر تنہا خود قابض ہونا چاہتا ہوں۔ 'إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ' میں صرف اصلاح چاہتا ہوں جہاں تک میرا بس چلے۔ 'وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ' اور اس جدوجہد میں توفیق و رہنمائی جس حد تک بھی حاصل ہوگی اللہ ہی کی عنایت سے حاصل ہوگی سو میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ؕ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ (۸۹)

حضرت شعیبؑ کی تنبیہ

شقاق کے معنی ضد اور مخالفت کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ برائے شگون پر اپنی ناک نہ کٹوا بیٹھو۔ میری ضد میں تم نے جو روش اختیار کی ہے کہیں وہ تمہارے لیے اس بات کا سبب نہ بن جائے کہ تم پر کوئی اس طرح کا عذاب آ دھمکے جس طرح کے عذاب قوم نوحؑ یا قوم ہودؑ یا قوم صالحؑ پر اس سے پہلے آ چکے ہیں اور قوم لوطؑ تو تم سے کچھ دور بھی نہیں ہے۔ یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ قوم لوطؑ زمانہ اور اپنے مسکن دونوں ہی اعتبار سے قوم شعیبؑ سے بہت قریب تھی۔ حضرت شعیبؑ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ یہ نہ سمجھو کہ میں تمہیں صرف ماضی بعید کے افسانے سنا رہا ہوں بلکہ تمہارے ماضی قریب اور تمہارے قرب و جوار کی شہادت بھی یہی ہے کہ تمہاری روش خدا کے عذاب کو دعوت دے رہی ہے۔

وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ (۹۰)

یعنی خیریت چاہتے ہو تو میری بات سنو اور اپنے گناہوں کی اپنے رب سے معافی مانگو اور اس کی طرف رجوع کرو۔ 'رجوع' سے یہ مراد ہے کہ اپنی موجودہ روش سے باز آ کر وہ راہ اختیار کرو جو خدا کی پسندیدہ راہ ہے اور جس کی طرف میں تمہیں بلا رہا ہوں۔

یہ حقیقت پیش نظر رہے کہ توبہ کے دو بنیادی رکن ہیں: ایک استغفار، دوسرا اصلاح۔ یعنی آدمی اپنے رب سے اپنے جرائم کی معافی بھی مانگے اور صحیح راہ اختیار کر کے عملاً اپنے رویہ کی اصلاح کا ثبوت بھی دے۔ اس کے بغیر کوئی توبہ اللہ تعالیٰ کے ہاں درخورِ قبول نہیں ٹھہرتی۔

'اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ'۔ یہ اللہ تعالیٰ کی صفات رحمت اور محبت کا حوالہ ہے۔ مقصود اس سے استغفار اور توبہ کی تشویق و ترغیب بھی ہے اور نہایت لطیف انداز میں قبولیتِ توبہ کی بشارت بھی۔ مدعا یہ ہے کہ تمہارے جرائم کتنے ہی سنگین ہوں، لیکن جب تم صدق دل سے اس کی طرف رجوع کرو گے تو وہ تمہیں ٹھکرائے گا نہیں بلکہ معاف کر کے اپنی رحمتوں سے نوازے گا۔ وہ نہایت مہربان اور محبت کرنے والا ہے۔

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ؗ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ (۹۱)

حضرت شعیبؑ کو سنگسار کرنے کی دھمکی

قوم نے حضرت شعیبؑ کی اس ساری موعظت کا جواب نہایت رعونت سے یہ دیا کہ "اے شعیب! تمہاری بہت ساری باتیں کسی طرح ہماری سمجھ میں نہیں آتیں"۔ مطلب یہ کہ تمہاری یہ باتیں ہیں ہی نہایت مہمل اور دور از کار، ورنہ معقول باتیں سمجھنے میں ہم سے بڑھ کر کون ہو سکتا ہے! اس کے بعد دھمکی بھی دے دی کہ تمہاری کوئی جمعیت و جماعت تو ہے نہیں جس کا ہمیں اندیشہ ہو، ہم تو تمہیں اپنے اندر نہایت کمزور اور بے بس دیکھ رہے ہیں۔ اگر تمہارے خاندان کا لحاظ نہ ہوتا تو ہم تو تمہیں سنگسار کر دیتے۔ 'وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ'۔ یعنی بجائے خود تم ہم پر ایسے گراں نہیں ہو کہ تم کو ٹھکانے لگا دینا ہمارے لیے کچھ مشکل ہو البتہ تمہارے کنبہ اور قبیلہ کا خیال دامن گیر ہوتا ہے کہ اس سے کیوں

جھگڑا مول لیں۔ سنگسار کردینے کی دھمکی خاص طور پر اس لیے دی گئی کہ حضرت شعیبؑ قوم کے بتوں کی تحقیر کرتے تھے، یاد ہوگا بتوں کی تحقیر پر یہی دھمکی سیدنا ابراہیمؑ اور دوسرے انبیاؑ کو بھی دی گئی تھی۔

قَالَ یٰقَوْمِ اَرَهْطِیْٓ اَعَزُّ عَلَیْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ اتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِیًّا ؕ اِنَّ رَبِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ (۹۲)

حضرت شعیبؑ کا توکل علی اللہ

حضرت شعیبؑ نے اس دھمکی کے جواب میں فرمایا کہ اے میرے ہم قومو! کیا میرے کنبہ وقبیلہ کا خوف ولحاظ تمہیں اللہ سے زیادہ ہے کہ تم کنبہ وقبیلہ کو تو اہمیت دیتے ہو جب کہ خدا کو تم نے پس پشت ڈال رکھا ہے اِنَّ رَبِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ یاد رکھو میرا رب جو کچھ تم کر رہے ہو یا کرنے والے ہو سب کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ مجال نہیں ہے کہ تم کوئی قدم اس کے اذن کے بغیر اٹھا سکو۔ مطلب یہ کہ میرا بھروسہ میرے رب پر ہے، تم جو کرنا چاہتے ہو کرو۔

'ظِهْرِیًّا' کے معنی ہیں وہ چیز جو پیچھے ڈال کر فراموش کر دی جائے۔

وَ یٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰی مَكَانَتِكُمْ اِنِّیْ عَامِلٌ ؕ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ یَّاْتِیْهِ عَذَابٌ یُّخْزِیْهِ وَ مَنْ هُوَ كَاذِبٌ ؕ وَ ارْتَقِبُوْٓا اِنِّیْ مَعَكُمْ رَقِیْبٌ (۹۳)

'اِنِّیْ عَامِلٌ' یعنی اِنِّیْ عَامِلٌ عَلٰی مَكَانَتِیْ۔ 'مَكَانَةٌ' کے معنی جگہ اور منزلت کے ہیں یعنی تم اپنی جگہ پر کام کرو، میں اپنی جگہ پر کام کرتا ہوں۔ تم میری ضد اور مخالفت میں جو کچھ کرنا چاہتے ہو کر گزرو اور میں اپنے رب کی جانب سے انذار و تبشیر کے جس مشن پر مامور ہوں گا وہ کرتا رہوں گا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ یَّاْتِیْهِ عَذَابٌ یُّخْزِیْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ جلد تم جان لوگے کہ کس پر رسوا کرنے والا عذاب آتا ہے اور کون جھوٹا ہے وَارْتَقِبُوْٓا اِنِّیْ مَعَكُمْ رَقِیْبٌ تم بھی انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔ یعنی غیب کا علم تو مجھے بھی نہیں ہے کہ تعین کے ساتھ بتا سکوں کہ عذاب کس وقت آئے گا لیکن یہ واضح ہے کہ تم میں مستحق عذاب ہونے کی ساری علامتیں نمودار ہو چکی ہیں اس وجہ سے میں بھی اب اس کے ظہور ناگہانی کا منتظر ہوں۔

وَ لَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّیْنَا شُعَیْبًا وَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَ اَخَذَتِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوا الصَّیْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دِیَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ۙ كَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا ؕ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْیَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ (۹۴-۹۵)

کم وبیش انہی الفاظ میں یہی مضمون آیات ۶۶-۶۸ میں گزر چکا ہے۔

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَا وَ سُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ (۹۶)

حضرت موسیٰؑ اور فرعون کی سرگزشت

اب آگے کی چند آیات میں حضرت موسیٰؑ اور فرعون کی سرگزشت کی طرف اجمالاً اشارہ فرمایا ہے۔ یاد ہوگا، سورۂ یونس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سرگزشت تو تفصیل کے ساتھ بیان ہوئی ہے لیکن دوسرے انبیاءؑ کا صرف اجمالی حوالہ ہے اس کے برعکس اس سورہ میں حضرت موسیٰؑ کی سرگزشت کی طرف تو اجمالی اشارہ کر دیا ہے البتہ دوسرے انبیاؑ کی سرگزشتیں، جیسا کہ آپ نے دیکھا، تفصیل سے بیان ہوئی ہیں۔ اس طرح یہ دونوں سورتیں مل کر ایک دوسرے کی تکمیل کرتی ہیں اور یہی حقیقت ہے سورتوں کے زوج زوج ہونے کی۔ مقدمۂ کتاب

میں ہم اس مسئلہ پر گفتگو کر چکے ہیں۔

بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ۔ آیات سے مراد تو وہ عام نشانیاں ہیں جو حضرت موسیٰ کے ہاتھوں قدم قدم پر ظاہر ہوئیں اور سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ سے مراد خاص طور پر وہ نشانی ہے جس سے حضرت موسیٰ کو فرعون، اس کے درباریوں اور اس کے ساحروں پر کھلا ہوا غلبہ حاصل ہوا یعنی معجزۂ عصا۔ گویا یہاں عام کے بعد خاص کا ذکر ہے اور اس کو سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ کے لفظ سے تعبیر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کی حیثیت در حقیقت ایک حجت قاہرہ کی تھی جس کے بعد فرعون اور اس کے درباریوں کی ساری ساکھ خود اپنے آدمیوں کی نگاہ میں اکھڑ گئی۔

اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ (۹۷)

یعنی ہم نے تو ان کی ہدایت و رہنمائی کے لیے اپنا پیغمبر بھیجا لیکن ان شامت کے ماروں نے پیروی فرعون کی رائے اور اس کے حکم کی کی فرعون کی رہنمائی ٹھیک نہ تھی۔ اس وجہ سے یہ اس کھڈ میں گرے جس میں اس طرح کے لیڈروں کی پیروی کرنے والے گرا کرتے ہیں۔

يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ۭ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ (۹۸)

'ورد' کے معنی کسی گھاٹ پر پانی پینے پلانے کے لیے اترنے کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن یہ فرعون ان تمام لوگوں کا لیڈر ہو گا جنھوں نے اس جہان میں اس کی پیروی کی اور وہ ان کو دوزخ کے گھاٹ پر اتارے گا جس سے زیادہ برا کوئی گھاٹ نہیں۔

وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ (۹۹)

'رِفْد' کے معنی عطیہ اور انعام کے ہیں۔ یعنی اس دنیا میں بھی ان کے پیچھے لعنت لگا دی گئی ہے اور آخرت میں بھی یہ لعنت ان کے پیچھے لگی رہے گی اور کیا ہی برا ہے یہ انعام جو ان کو عطا ہوا!!

۴۔ آگے کا مضمون —— آیات ۱۰۰-۱۲۳

خاتمۂ سورہ

اب آگے خاتمۂ سورہ کی آیات ہیں۔ اس میں ان حقائق کی طرف توجہ دلائی ہے جو ماضی کی سرگزشتوں کے اندر مضمر ہیں اور جن کو مخاطب کے سامنے لانے ہی کے لیے یہ سنائی گئی ہیں۔ ان کے اندر قریش کے لیے جو سبق ہیں ان کی طرف بھی توجہ دلائی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کو ان سے جو تعلیم ملتی ہے اس کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے —— اس روشنی میں آگے کی آیات کی تلاوت فرمائیے۔

آیات ۱۰۰-۱۲۳

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَاۗىِٕمٌ وَّحَصِيْدٌ ۞ (۱۰۰) وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَاۗءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۭ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ۞ (۱۰۱) وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِىَ ظَالِمَةٌ

إِنَّ أَخْذَهٗٓ أَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ﴿۱۰۲﴾ إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ
الْاٰخِرَةِ ؕ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ﴿۱۰۳﴾
وَمَا نُؤَخِّرُهٗٓ إِلَّا لِأَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ﴿۱۰۴﴾ يَوْمَ يَأْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ إِلَّا
بِإِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ ﴿۱۰۵﴾ فَأَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ
فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ ﴿۱۰۶﴾ ۙ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ
إِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ إِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ﴿۱۰۷﴾ وَأَمَّا الَّذِيْنَ
سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ
إِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ﴿۱۰۸﴾ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّمَّا
يَعْبُدُ هٰٓؤُلَآءِ ؕ مَا يَعْبُدُوْنَ إِلَّا كَمَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ ؕ وَإِنَّا
لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ ﴿۱۰۹﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ
فِيْهِ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَإِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ
مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۱۱۰﴾ وَإِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ أَعْمَالَهُمْ ؕ إِنَّهٗ بِمَا
يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۱۱﴾ فَاسْتَقِمْ كَمَآ أُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ؕ
إِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۲﴾ وَلَا تَرْكَنُوْٓا إِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ
النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ أَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ وَأَقِمِ
الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ؕ إِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ
السَّيِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَاصْبِرْ فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ أَجْرَ
الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ أُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ

ع ۹

عَنِ الْفَسَادِ فِي الْأَرْضِ إِلَّا قَلِيلًا مِّمَّنْ أَنجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ وَاتَّبَعَ الَّذِينَ
ظَلَمُوا مَا أُتْرِفُوا فِيهِ وَكَانُوا مُجْرِمِينَ ﴿١١٦﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ
الْقُرَىٰ بِظُلْمٍ وَأَهْلُهَا مُصْلِحُونَ ﴿١١٧﴾ وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ
أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ ﴿١١٨﴾ إِلَّا مَن رَّحِمَ رَبُّكَ ۚ
وَلِذَٰلِكَ خَلَقَهُمْ ۗ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَ
النَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿١١٩﴾ وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ
بِهِ فُؤَادَكَ ۚ وَجَاءَكَ فِي هَٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿١٢٠﴾
وَقُل لِّلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ اعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ إِنَّا عَامِلُونَ ﴿١٢١﴾ وَانتَظِرُوا
إِنَّا مُنتَظِرُونَ ﴿١٢٢﴾ وَلِلَّهِ غَيْبُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَإِلَيْهِ يُرْجَعُ
الْأَمْرُ كُلُّهُ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ۚ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿١٢٣﴾

ع ١٠ / ١٠

ترجمۂ آیات ١٠٠-١٢٣

یہ بستیوں کی کچھ سرگزشتیں ہیں جو ہم تمھیں سنا رہے ہیں، ان میں سے کچھ تو قائم ہیں اور کچھ مٹ مٹا
گئیں۔ اور ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ انھوں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا۔ تو ان کے وہ دیوتا
جن کو وہ اللہ کے سوا پکارتے تھے، جب تیرے رب کا عذاب آیا، ان کے کچھ بھی کام نہ آئے
اور انھوں نے ان کی بربادی کے سوا اور کسی چیز میں اضافہ نہیں کیا۔ اور تیرے رب کی پکڑ، جب
کہ وہ بستیوں کو ان کے ظلم میں پکڑتا ہے، اسی طرح ہوتی ہے۔ بے شک اس کی پکڑ بڑی ہی دردناک
اور سخت ہے۔ اس میں ان لوگوں کے لیے بڑی نشانی ہے جو عذاب آخرت سے ڈریں۔ وہ ایک
ایسا دن ہوگا جس کے لیے سارے ہی لوگ اکٹھے کیے جائیں گے اور وہ حاضری کا دن ہوگا اور ہم
تو اس کو بس ایک گنتی کی مدت کے لیے ٹال رہے ہیں۔ جب وہ دن آئے گا کوئی جان اس کے

اذن کے بغیر کلام نہ کر سکے گی۔ پس ان میں کچھ بدبخت ہوں گے، کچھ نیک بخت۔ تو جو بدبخت ہوں گے وہ دوزخ میں پڑیں گے، اس میں ان کے لیے چلانا اور گھگیانا ہوگا، اسی میں پڑے رہیں گے جب تک آسمان و زمین قائم ہیں، مگر جو تیرا رب چاہے۔ بے شک تیرا رب جو چاہے کر گزرنے والا ہے۔ اور رہے وہ جو نیک بخت ہیں تو وہ جنت میں رہیں گے جب تک آسمان و زمین قائم ہیں، مگر جو تیرا رب چاہے۔ غیر منقطع عطیۂ الٰہی۔ تو تم ان کے باب میں کسی تردد میں نہ پڑو جن کی یہ لوگ پوجا کر رہے ہیں۔ یہ اسی طرح پوج رہے ہیں جس طرح ان سے پہلے ان کے باپ دادا پوجتے رہے اور ہم ان کا حصہ ان کو پورا پورا بغیر کسی کمی کے دے کے رہیں گے۔ ۱۰۰-۱۰۹

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تو اس میں اختلاف کیا گیا، اور اگر تیرے رب کی طرف سے ایک بات پہلے ہی نہ طے ہو چکی ہوتی تو ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا اور یہ لوگ اس کی طرف سے الجھا دینے والے شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور یقیناً تیرا رب ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ پورا کر کے رہے گا۔ وہ جو کچھ یہ کر رہے ہیں اس سے باخبر ہے۔ تو تم جمے رہو جیسا کہ تمھیں حکم ملا ہے اور وہ بھی جنھوں نے تمھارے ساتھ توبہ کی ہے اور کج نہ ہونا، بے شک وہ جو کچھ تم کر رہے ہو اس کو دیکھ رہا ہے۔ اور ان لوگوں کی طرف مائل نہ ہو جنھوں نے ظلم کیا کہ تمھیں بھی دوزخ کی آگ پکڑے اور تمھارے لیے اللہ کے سوا کوئی حامی نہیں، پھر تمھاری مدد نہیں کی جائے گی۔ اور نماز کا اہتمام کرو دن کے دونوں حصوں میں اور شب کے کچھ حصہ میں۔ بے شک نیکیاں دور کرتی ہیں بدیوں کو۔ یہ یاددہانی ہے یاد دہانی حاصل کرنے والوں کے لیے اور ثابت قدم رہو، اللہ نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرے گا۔ ۱۱۰-۱۱۵

پس کیوں نہ ایسا ہوا کہ تم سے پہلے کی امتوں میں سے ایسے حاملین حق ہوتے جو زمین میں فساد

برپا کرنے سے روکتے مگر تھوڑے ان میں سے جن کو ہم نے ان میں سے نجات بخشی اور جن لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا وہ اسی عیش میں پڑے رہے جس میں تھے اور وہ مجرم تھے۔ اور تیرا رب ایسا نہیں کہ وہ بستیوں کو ہلاک کر دے کسی ظلم کی پاداش میں جب کہ ان کے باشندے اصلاح میں سرگرم ہوں۔ ۱۱۶-۱۱۷

اور اگر تیرا رب چاہتا تو لوگوں کو ایک ہی امت بنا چھوڑتا اور وہ برابر اختلاف میں رہیں گے بجز ان کے جن پر تیرا رب رحم فرمائے اور اسی لیے ان کو اس نے پیدا کیا ہے اور تیرے رب کی بات پوری ہوئی کہ میں جہنم کو جنوں اور انسانوں سب سے بھر دوں گا۔ ۱۱۸-۱۱۹

اور ہم رسولوں کی سرگزشتوں میں سے ہر ایک تمھیں سنا رہے ہیں جن سے تمھارے دل کو تقویت دیں، اور ان میں تمھارے پاس حق آیا ہے اور مومنوں کے لیے ان میں نصیحت اور یاددہانی ہے۔ اور جو لوگ ایمان نہیں لا رہے ہیں ان سے کہہ دو کہ تم اپنے ڈھرے پر چلو ہم اپنی روش پر چلتے رہیں گے اور تم بھی انتظار کرو، ہم بھی منتظر ہیں۔ اور آسمانوں اور زمین کا غیب اللہ ہی کے علم میں ہے اور وہی تمام امور کا مرجع ہے تو اسی کی بندگی کرو اور اسی پر بھروسہ کرو اور تیرا رب جو کچھ تم کر رہے ہو اس سے بے خبر نہیں ہے۔ ۱۲۰-۱۲۳

۵- الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآئِمٌ وَّحَصِيْدٌ (۱۰۰)

پچھلی سرگزشتوں کی طرف اشارہ — پیچھے جن قوموں کی سرگزشتیں سنائی گئی ہیں ان کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے واسطہ سے آپ کی قوم کو توجہ دلائی کہ یہ سرگزشتیں ہم سنا رہے ہیں کہ ان سے تمھیں بھی قوت و حوصلہ حاصل ہو اور تمھاری قوم کے لوگ بھی ان سے سبق حاصل کریں۔ اس مضمون کو آگے آیت ۱۲۰ میں اچھی طرح واضح فرما دیا ہے۔

بستیوں میں نشانِ عبرت — مِنْهَا قَآئِمٌ وَّحَصِيْدٌ یعنی ان بستیوں میں سے بعض قائم ہیں جن کو دیکھ سکتے ہو اور بعض ان میں سے بالکل ملیا میٹ ہو گئیں۔ حَصِيْدٌ کٹی ہوئی فصل کو کہتے ہیں۔ یہاں یہ ان بستیوں کے لیے استعمال ہوا ہے جو عذابِ الٰہی

سے یک قلم نیست و نابود ہو گئیں۔ 'قَآئِمٌ' کی ایک مثال مصر ہے جس کے اندر سے فرعون اور اس کی قوم کو خدا نے نکالا اور لے جا کر سمندر میں غرق کر دیا۔ مکان قائم رہ گئے، مکین ناپید ہو گئے۔ 'حَصِیْدٌ' سے مراد قوم ہود اور قوم لوط وغیرہ کی بستیاں ہیں جن کے مکان و مکین سب ناپید ہو گئے۔ صرف کسی کسی کے کچھ آثار اپنے مکینوں کی بدبختی کی داستانِ عبرت سنانے کے لیے رہ گئے۔ یہ بات قریش کو سنا کر اس لیے کہی گئی ہے کہ اگر وہ اپنی اس ضد و ضلد کی روش پر قائم ہیں تو لازماً انھیں بھی ان دو فہرستوں میں سے کسی ایک میں اپنا نام لکھانا پڑے گا۔ ان کے اندر رسول کی بعثت کے بعد اب ان کا فیصلہ بھی لازماً ہونا ہے۔

وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِیْ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ وَمَا زَادُوْهُمْ غَیْرَ تَتْبِیْبٍ (۱۰۱)

یعنی یہ نہ سمجھو کہ ہم نے ان کو تباہ و برباد کر دیا تو یہ ان کے اوپر ہم نے کوئی ظلم کیا۔ ہم نے ان کے اوپر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ انھوں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا۔ اللہ نے ان کو جن اعلیٰ صلاحیتوں کے ساتھ پیدا کیا تھا وہ سب انھوں نے برباد کیں اور خدا اور اپنے رسول کے احکام کی نافرمانی کر کے خود اپنی تباہی کے اسباب فراہم کیے۔ فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِیْ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ اور جب خدا کا حکم عذاب آیا تو ان کے وہ سارے دیوی دیوتا جن کو وہ خدا کے سوا پوجتے تھے ان کے کچھ کام نہ آئے۔ اس لیے کہ وہ سب ان کے وہم کی ایجاد تھے اور وہم حقیقت کے مقابلے میں کچھ کام نہیں آتا۔ وَمَا زَادُوْهُمْ غَیْرَ تَتْبِیْبٍ یعنی انھوں نے اضافہ کیا تو ان کی تباہی و بربادی ہی میں اضافہ کیا اس لیے کہ جھوٹے سہارے ضرورت کے وقت مصیبت اور محرومی ہی میں اضافہ کرتے ہیں۔ اگر پیاسا سراب کو پانی سمجھ کر اس کی طرف بھاگے تو جس وقت اس کے سامنے اصل حقیقت واضح ہو گی اس وقت موت اس کے سامنے ہر طرف سے منہ کھولے ہوئے کھڑی ہو گی اور زندگی کی تمام راہیں مسدود ہو چکی ہوں گی حالانکہ اگر وہ اس مغالطے میں نہ مبتلا ہوا ہوتا تو ممکن تھا کہ زندگی بچا لینے کی کوئی نہ کوئی راہ اس کے لیے کھل ہی جاتی۔

وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِیَ ظٰلِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِیْمٌ شَدِیْدٌ (۱۰۲)

قریش کو تنبیہ

یعنی جب خدا قوموں اور بستیوں کو ان کے ظلم، ان کی سرکشی اور ان کے طغیان کی سزا دیتا ہے تو اسی طرح دیتا ہے جس طرح ان قوموں کو دی جن کی سرگزشتیں اوپر بیان ہوئیں۔ اس وقت خدا کی پکڑ بڑی دردناک اور سخت ہوتی ہے۔ یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے قریش کو سنائی گئی ہے کہ وہ متنبہ ہوں کہ اب ان کی قوم بھی اسی میزان میں ہے جس میں دوسری قومیں تولی جا چکی ہیں۔ خدا نے جو معاملہ ان قوموں کے ساتھ کیا ہے کوئی وجہ نہیں ہے کہ ان کے ساتھ اس سے کوئی مختلف معاملہ کرے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ؕ ذٰلِكَ یَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ یَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ (۱۰۳)

اس دنیا کی شہادت آخرت کے حق میں

یعنی قوموں کی یہ سرگزشتیں جس طرح نبیوں اور رسولوں کی تکذیب کا انجام ظاہر کرتی ہیں اسی طرح ان کے اندر عذابِ آخرت سے ڈرنے والوں کے لیے بھی بہت بڑی نشانی ہے۔ ان واقعات سے اس دنیا کے خالق و

مالک کی صفات سامنے آتی ہیں اور اس کی پسند و ناپسند کا معیار معین ہوتا ہے کہ جب وہ اس دنیا میں سرکشوں اور باغیوں کو عبرتناک سزائیں دیتا ہے تو یہ کس طرح ممکن ہے کہ اس نے اس مجموعی دنیا کے لیے کوئی روز جزا و سزا نہ رکھا ہو۔ پس ضرور ہے کہ ایک روز جزا و سزا آئے جس میں نیکوکار اپنی نیکیوں کا صلہ پائیں اور بدکار اپنی بدیوں کی سزا بھگتیں۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ تاریخ کے یہ واقعات شہادت دے رہے ہیں کہ یہ دنیا کسی کھلنڈرے کا کھیل نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک عادل و حکیم خدا کی بنائی ہوئی دنیا ہے اس وجہ سے ضرور ہے کہ اس کے بعد ایک ایسا دن آئے جس میں اس کا عدل کامل ظاہر ہو اور ہر نیک و بد اپنی نیکی و بدی کو اپنی آنکھوں دیکھ لے۔

سب کی حاضری کا دن

ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوعٌ لَّهُ النَّاسُ۔ یعنی یہ ایسا دن ہوگا کہ جس میں سب اکٹھے کیے جائیں گے۔ آگے جو گزرے وہ بھی اور پیچھے جو آئے وہ بھی، انبیاء بھی اور ان کی امتیں بھی، نیکی کی دعوت دینے والے بھی اور برائی کی راہیں دکھانے والے بھی، حاکم بھی اور محکوم بھی، شاہد بھی اور مشہود بھی تاکہ ہر متنفس اپنی نیکی کا صلہ پائے اگر اس نے نیکی کمائی ہے اور اپنی بدی کی سزا بھگتے اگر اس نے بدی کمائی ہے۔ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُودٌ۔ یعنی یہ دن سب کی حاضری اور پیشی کا ہوگا تاکہ ہر معاملے کے سارے فریق سامنے موجود ہوں اور پورے انصاف کے ساتھ ان کا فیصلہ ہو سکے۔ یہ حقیقت قرآن میں دوسرے مقامات میں بھی ظاہر کی گئی ہے۔ ہم بعض آیات کا حوالہ دیتے ہیں تاکہ ذہن میں اس کا صحیح تصور قائم ہو سکے۔

وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوجِ ۙ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُودِ ۙ وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُودٍ (البروج-۸۵: ۱-۳)	برجوں والے آسمان کی قسم، وعدہ کیے ہوئے دن کی قسم اور شاہد و مشہود کی قسم۔
إِنَّا لَنَنصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ (۵۱-غافر)	اور ہم اپنے رسولوں کی اور جو لوگ ان پر ایمان لائے ان کی، دنیا کی زندگی میں بھی مدد کرتے ہیں اور اس دن بھی مدد کریں گے جس دن گواہ کھڑے ہوں گے۔
وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا عَلَيْهِم مِّنْ أَنفُسِهِمْ (نحل-۸۹)	اور جس دن ہم ہر امت میں ایک گواہ اٹھائیں گے انھیں میں سے۔
يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ۔ (نور-۲۴)	اور جس دن کہ ان پر گواہی دیں گی ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ان چیزوں کے باب میں جو وہ کرتے رہے ہیں۔

وَمَا نُؤَخِّرُهُ إِلَّا لِأَجَلٍ مَّعْدُودٍ (۱۰۴)

قیامت نفس الامری حقیقت

یعنی یہ نہ سمجھو کہ اس دن کے آنے میں اتنی غیر محدود مدت باقی ہے کہ اس کے اندیشہ میں ابھی سے اپنا عیش مکدر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ مدت غیر محدود نہیں، بلکہ شمار کی

ہوئی مدت ہے، نہ شمار کی ہوئی مدت، نہ کوئی مبالغہ کا اسلوب بیان ہے اور نہ یہ بات علم الٰہی کے اعتبار سے ارشاد ہوئی ہے بلکہ یہ ایک حقیقت نفس الامری کا اظہار ہے اس لیے کہ جو شخص مرا تو، جیسا کہ حدیث میں ارشاد ہے، 'مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهُ' اس کی قیامت آگئی۔ برزخ میں جو مدت گزرے گی نفخ صور کے وقت اس کا کوئی احساس باقی نہیں رہے گا۔ ہر شخص یہ محسوس کرے گا کہ ابھی سوئے تھے ابھی اٹھ بیٹھے ہیں۔ جب اصل حقیقت یہ ہے تو اس میں کیا شبہ ہے کہ قیامت کے آنے میں بس اتنے ہی دن باقی ہیں جتنے دن زندگی کے باقی ہیں، زندگی ختم ہوئی، قیامت آن کھڑی ہوئی۔ رہی زندگی کی مدت تو اس کا 'اَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ' ہونا ایک امر بدیہی ہے۔

يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ (۱۰۵)

جھوٹی شفاعت کی تردید

جب وہ گھڑی آئے گی تو کسی کی مجال نہ ہوگی کہ خدا کے اذن کے بغیر کوئی اس سے بات کرنے کے لیے زبان ہلا سکے۔ یہ مشرکین کے اس گمان کی تردید ہے کہ ان کے معبودوں کو خدا کے ہاں عزت و اعتماد کا وہ مقام حاصل ہے کہ خواہ ان کے اعمال کچھ ہی کیوں نہ ہوں لیکن وہ اپنے پجاریوں کو بہر حال چھڑا ہی لیں گے اور خدا ان کی دلداری میں مجبور ہوگا کہ ان کی سفارش سنے اور ان کی بات مانے۔ فرشتوں کی نسبت ان کا گمان تھا کہ یہ خدا کی چہیتی بیٹیاں ہیں اور جس طرح چہیتی بیٹیاں ناز و تدلل سے اپنی ہر بات اپنے باپ سے منوا لیتی ہیں اسی طرح یہ اپنے باپ یعنی خدا سے ان سارے لوگوں کو بخشوا لیں گی جو دنیا میں ان کی عبادت کرتے رہے۔ اس آیت نے ان تمام بے بنیاد اور خیالی توقعات کا خاتمہ کر دیا۔ خدا کا کسی کی ناز برداری کرنا تو درکنار اس کے آگے کوئی زبان ہی نہیں کھولے گا جب تک وہ اس کو اجازت نہ دے۔ دوسرے مقام میں اس بات کی بھی تصریح ہے کہ جو خدا کی اجازت کے بعد زبان کھولے گا بھی وہ وہی بات کہے گا جو حق ہوگی۔ سر مو حق سے تجاوز نہ کر سکے گا۔ 'فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ' یعنی جو لوگ محشر میں جمع ہوں گے ان میں سے کچھ بدبخت اور محروم القسمت ہوں گے اور کچھ خوش بخت اور فائز المرام۔ پہلا گروہ دوزخ میں جائے گا اور دوسرا گروہ جنت سے نوازا جائے گا اور ان میں سے ہر ایک کی بدبختی یا خوش بختی اس کے اعمال پر مبنی ہوگی۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ ۙ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ (۱۰۶-۱۰۷)

دوزخیوں کے چیخنے چلانے کی تعبیر

جو بدبخت ہوں گے وہ دوزخ میں پڑیں گے اور اس میں ان کا حال یہ ہوگا کہ 'لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ'۔ 'زَفِيْرٌ' اور 'شَهِيْقٌ' دونوں لفظ گدھے کی چیخ کے لیے آتے ہیں۔ جب وہ چیختا ہے تو جو سانس وہ باہر کی طرف نکالتا ہے اس کو 'زَفِيْر' کہتے ہیں اور جو سانس اندر کی طرف لے جاتا ہے اس کو 'شَهِيْق' کہتے ہیں۔ یہ دوزخیوں کے چیخنے چلانے اور رونے گھگھیانے کی تعبیر ہے اور ان لفظوں میں جو حقارت کا پہلو ہے وہ بالکل واضح ہے۔

نیا آسمان نئی زمین

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ۔ وہ اسی دوزخ میں رہیں گے جب تک آسمان و زمین قائم رہیں گے۔ ظاہر ہے کہ اس آسمان و زمین سے یہ موجودہ آسمان و زمین مراد نہیں ہیں، یہ آسمان و زمین تو ظہور قیامت کے وقت ختم ہو چکے ہوں گے۔ بلکہ وہ آسمان و زمین مراد ہیں جو نئے نوامیس و قوانین کے ساتھ

قیامِ قیامت کے وقت ظہور میں آئیں گے اور جن کی طرف آیت یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ میں اشارہ ہے۔

سب اختیار خدا کا ہے

'اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّکَ' مگر جو تیرا رب چاہے۔ یعنی اس دائمی عذاب سے کوئی اور تو چھڑانے والا بن نہیں سکتا ہاں اگر تیرا رب ہی چاہے تو کسی کے عذاب میں تخفیف کر سکتا ہے یا کسی کو خاک اور راکھ بنا دے سکتا ہے۔ اِنَّ رَبَّکَ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ۔ تیرا رب جو چاہے کر سکتا ہے، کوئی اس کا ہاتھ پکڑنے والا نہیں۔

وَاَمَّا الَّذِیْنَ سُعِدُوْا فَفِی الْجَنَّةِ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّکَ ؕ عَطَآءً غَیْرَ مَجْذُوْذٍ (۱۰۸)

جو نیک بخت ہوں گے جنت میں داخل ہوں گے اور اسی میں رہیں گے جب تک آسمان و زمین قائم ہیں مگر جو تیرا رب چاہے" مگر تیرا رب جو چاہے" کے استثنا سے یہ اشارہ نکلتا ہے کہ ان کے احوال و مراتب میں بھی تبدیلیاں ہوں گی لیکن یہ تبدیلیاں خیر سے شر کی طرف کی نوعیت کی نہیں بلکہ خوب سے خوب تر کی طرف کی نوعیت کی ہوں گی اس لیے کہ ان کے واسطے خدا کی بخشش میں کبھی انقطاع نہیں ہوگا۔ 'عَطَآءً غَیْرَ مَجْذُوْذٍ'۔ ان کو جنت کبھی نہ منقطع ہونے والے عطیہ کی حیثیت سے ملے گی۔

خوب سے خوب تر کی طرف ترقی

فَلَا تَکُ فِیْ مِرْیَةٍ مِّمَّا یَعْبُدُ هٰۤؤُلَآءِ ؕ مَا یَعْبُدُوْنَ اِلَّا کَمَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ ؕ وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِیْبَهُمْ غَیْرَ مَنْقُوْصٍ (۱۰۹)

خطاب نبی سے عتاب مخالفین پر

ہم یہ اسلوب متعدد مقامات میں واضح کر چکے ہیں کہ بعض مرتبہ خطاب بظاہر الفاظ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوتا ہے لیکن اس کے اندر جو عتاب مضمر ہوتا ہے اس کا رخ مخالفین کی طرف ہوتا ہے۔ وہ چونکہ اپنی ضد کے سبب سے لائق خطاب نہیں رہ جاتے اس وجہ سے بات ان کو خطاب کر کے کہنے کے بجائے پیغمبر کو خطاب کر کے کہہ دی جاتی ہے۔ سورۂ یونس کی آیات ۹۴-۹۵ میں اس کی مثال گزر چکی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کے شرک پر جاؤ سے تمھیں کہیں یہ غلط فہمی نہ لاحق ہو کہ ان کے پاس اس کے لیے کوئی دلیل موجود ہے بس جس طرح ان کے باپ دادا بے سمجھے بوجھے ان پتھروں اور خیالی دیویوں اور دیوتاؤں کو پوجتے آئے اسی طرح اپنی عقلوں پر پٹی باندھ کر یہ ان کو پوج رہے ہیں۔ عقل اور دلیل سے کام لینے کی زحمت نہ انھوں نے اٹھائی نہ یہ اٹھانا چاہتے ہیں جو اِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ' یعنی یہ جس جنت الحمقاء میں زندگی گزارنا چاہتے ہیں گزاریں ہم تو ان کا حصہ پورا کر کے رہیں گے۔ اس میں ذرا کمی نہیں کریں گے۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِیْهِ ؕ وَلَوْلَا کَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّکَ لَقُضِیَ بَیْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَفِیْ شَکٍّ مِّنْهُ مُرِیْبٍ (۱۱۰)

پیغمبر صلعم کو تسلی

یہ آیت جس سیاق و سباق میں یہاں ہے بعینہٖ اسی سیاق و سباق میں سورۂ حٰم السجدۃ میں بھی ہے، ملاحظہ ہو آیت ۴۳-۴۵۔ مَا یُقَالُ لَکَ اِلَّا مَا قَدْ قِیْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِکَ ؕ اِنَّ رَبَّکَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِیْمٍ ۔۔ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِیًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰیٰتُهٗ ؕ ءَاَعْجَمِیٌّ وَّعَرَبِیٌّ ؕ قُلْ هُوَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

هُدًى وَّشِفَاۤءٌ ۭ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ۝ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ‘‘ (تم کو نہیں کہی جا رہی ہیں مگر وہی باتیں جو تم سے پہلے رسولوں کو کہی گئیں بےشک تمہارا رب مغفرت فرمانے والا بھی ہے اور سخت پاداش دینے والا بھی۔ اور اگر ہم اس قرآن کو عجمی قرآن بناتے تو یہ کہتے کہ اس کی آیات کھولی کیوں نہیں گئیں، کتاب عجمی اور مخاطب عربی! کہہ دو یہ ایمان لانے والوں کے لیے ہدایت اور شفا ہے اور جو لوگ ایمان نہیں لا رہے ہیں ان کے کانوں میں بہرا پن اور یہ ان کی آنکھوں پر پٹی ہے۔ یہ لوگ اب بہت دور کی جگہ سے پکارے جائیں گے۔ اور ہم نے موسیٰ کو بھی کتاب دی تو اس کے باب میں بھی اختلاف کیا گیا ......) یہاں آیت زیرِ بحث تسلی کے مقام میں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطمینان دلایا گیا ہے کہ جس طرح تمہاری قوم کے لوگ تمہارے اس کتاب کے پیش کرنے پر تمہارے پیچھے پڑ گئے ہیں اسی طرح موسیٰؑ کی قوم کے لوگوں نے بھی تورات کے معاملے میں ان سے قدم قدم پر جھگڑا اور اختلاف کیا۔ مطلب یہ ہے کہ جس صورتِ حال سے تمہیں سابقہ درپیش ہے اسی صورتِ حال سے تمہارے پیش رو نبیوں کو بھی سابقہ رہا ہے تو جس طرح انھوں نے صبر و استقامت کے ساتھ حالات کا مقابلہ کیا یہاں تک کہ اللہ نے ان کو کامیابی بخشی اسی طرح تم بھی صبر و استقامت کے ساتھ حالات کا مقابلہ کرو، اللہ تمہیں بھی تمہارے مخالفوں پر فتحمند کرے گا۔ ’وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ‘ یعنی اللہ نے ہر چیز کے لیے پہلے سے ایک وقت مقرر فرما لیا ہے۔ اس وجہ سے ہر بات اس کے مقررہ پروگرام کے مطابق ہو گی، تمہاری قوم کے لیے بھی مہلت کی ایک مدت مقرر ہے، جب وہ مدت پوری ہو جائے گی ان کا پیمانہ بھی لبریز ہو جائے گا اور ان کے درمیان بھی فیصلہ کر دیا جائے گا۔ ’وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ‘ یعنی یہ لوگ اس چیز کے باب میں جو تم پیش کر رہے ہو ایک الجھن میں ڈال دینے والے شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ ’مُرِيْبٍ‘ کے معنی الجھن میں ڈال دینے والے کے ہیں۔ اس صفت کے لانے سے مقصود یہ دکھانا ہے کہ انکار کی یہ روش جو انھوں نے اختیار کر رکھی ہے یہ صرف نہ ماننے کی خواہش پر مبنی ہے اس کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ جو کچھ تم پیش کر رہے ہو اس کی حجت واضح ہے لیکن وہ اس کو ماننا نہیں چاہتے۔ اس وجہ سے وہ ایک سخت الجھن میں گرفتار ہو کر رہ گئے ہیں۔ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن!

وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ ۭ اِنَّهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ (۱۱۱)

پیغمبر صلعم کو تسلی مخالفین کو تنبیہ

’لَمَّا‘ میں ’ل‘ تاکید اور قسم کا ہے اور ’مَا‘ زائد کبھی کبھی محض جملہ کے آہنگ اور صوت کو ٹھیک رکھنے کے لیے آتا ہے۔ مثلاً اِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۔ زخرف ۳۵ (بے شک یہ ساری چیزیں دنیوی زندگی کی متاع ہیں) اسی طرح سورۂ طارق میں ہے، اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ (بے شک ہر جان پر ایک نگران مقرر ہے)۔

لفظ ’کل‘ اگرچہ عام ہے لیکن یہاں اس سے مراد وہی گروہ ہیں جو اوپر مذکور ہوئے یعنی مشرکین قریش اور یہود۔ فرمایا کہ یہ لوگ دعوتِ حق کی مخالفت میں جو ایڑی چوٹی کا زور لگانا چاہتے ہیں لگا لیں، وہ وقت بھی آئے گا جب

تیرا رب ان کے سارے اعمال کا بھرپور بدلہ ان کو دے گا۔ جو کچھ یہ کر رہے ہیں اس سے وہ پوری طرح باخبر ہے۔ یہ امر ملحوظ رہے کہ دعوت کا جو مرحلہ یہاں زیر بحث ہے اس میں یہود نے بھی قریش کی پیٹھ ٹھونکنی شروع کر دی تھی۔

فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ۭ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (۱۱۲)

یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ پر ایمان لانے والوں کو جادۂ حق پر استوار رہنے کی تلقین ہے کہ مخالفتوں کے اس طوفان کے اندر اسی راہ پر پوری مضبوطی سے قائم رہو جو تمہارے رب نے تمہارے لیے کھولی ہے۔ 'وَلَا تَطْغَوْا' یعنی حالات سے مرعوب ہو کر یا ترغیبات سے متاثر ہو کر ذرا اس راہ سے کج نہ ہونا۔ 'اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ' جو کچھ تم کر رہے ہو یا کرو گے وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے۔ وہ مشکلات میں تمہاری رہنمائی فرمائے گا اور جب تم اس کی مدد کے محتاج ہو گے وہ تم کو سہارا دے گا۔

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَاۗءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ (۱۱۳)

ایمان لانے والوں کو جادۂ حق پر استقامت کی تلقین

یہ آپ پر ایمان لانے والوں کو تنبیہ ہے کہ خوف یا طمع کسی چیز سے متاثر ہو کر ان لوگوں کی طرف مائل نہ ہونا جنھوں نے ظلم یعنی شرک و کفر کا ارتکاب کیا ہے ورنہ وہی دوزخ کی آگ تمہیں بھی اپنی گرفت میں لے لے گی جو ان کے لیے مقدر ہے اور اس وقت خدا کے مقابل میں تمہارا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ 'ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ' یعنی اگر تم ان کفار و مشرکین کی طرف ذرا بھی مائل ہوئے تو جس نصرت کا اس دنیا میں تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے اس سے محروم ہی رہو گے۔ یہ وعدہ استقامت کی شرط کے ساتھ مشروط ہے۔ اس کے بغیر تم خدا کی نصرت کے سزاوار نہیں ہو سکتے۔

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ۭ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّـيِّاٰتِ ۭ ذٰلِكَ ذِكْرٰي لِلذّٰكِرِيْنَ ؀ وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ (۱۱۴ - ۱۱۵)

نماز ذریعۂ استقامت ہے

یہ اس صبر و استقامت کے حصول کی تدبیر بیان ہوئی ہے جس کی اوپر والی آیات میں ہدایت فرمائی گئی ہے۔ قرآن میں یہ بات جگہ جگہ واضح کی گئی ہے کہ خدا کی راہ میں شیطان اور ان کے اعوان کی طرف سے جو مزاحمتیں پیش آتی ہیں ان کے مقابلہ کے لیے روحانی طاقت نماز ہی سے ہوتی ہے۔ یہی چیز بندے کو خدا سے جوڑتی ہے اور جب بندہ اپنے رب سے جڑ جاتا ہے تو اس پر انوار و برکات رحمانی کا فیضان ہوتا ہے، دل وسوسوں اور کمزوریوں سے پاک اور وہ پورے عزم و حوصلہ سے حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ سورۂ طٰہٰ میں صبر اور نماز کا یہ باہمی تعلق اس طرح واضح فرمایا گیا ہے۔

فَاصْبِرْ عَلٰي مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا وَمِنْ اٰنَاۗئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ؀ (طٰہٰ - ۱۳۰)	پس صبر کرو ان باتوں پر جو وہ کہتے ہیں اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرو سورج کے طلوع اور اس کے غروب سے پہلے اور رات کے وقتوں میں بھی اس کی تسبیح کرو اور دن کے اطراف میں بھی تاکہ تم نہال ہو جاؤ۔

آیت زیر بحث میں اوقات نماز کی تفصیل نہیں ہے لیکن طٰہٰ کی مذکورہ بالا آیت پر غور کیجیے تو اس میں نہ صرف پانچ فرض نمازوں کے اوقات کی طرف اشارہ ہے بلکہ چاشت اور تہجد کے اوقات بھی اس میں مضمر ہیں لیکن یہاں ہم صرف صبر اور نماز کے باہمی تعلق کو واضح کرنا چاہتے ہیں۔ اوقات نماز کے مسئلہ پر انشاء اللہ اس کے محل میں بحث کریں گے۔

ایک جامع کلیہ

إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ایک جامع کلیہ ہے۔ لفظ حسنات نے نماز اور اس کے خاندان کی دوسری تمام نیکیوں کو اپنے اندر سمیٹ لیا۔ مطلب یہ ہے کہ ان بھلائیوں ہی میں زیادہ سے زیادہ سرگرم رہو اس لیے کہ یہی ان برائیوں کو مٹائیں گی جو اندر سے یا باہر سے سر اٹھا سکتی ہیں۔

ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ۔ یہ اس ہدایت کی قدر و قیمت کی طرف توجہ دلادی گئی ہے کہ اس کو معمولی بات نہ سمجھنا، یہ سننے اور سمجھنے والوں کے لیے بڑی گراں مایہ موعظت ہے۔ یہ تنبیہ اس لیے ضروری تھی کہ ہر شخص کے لیے یہ سمجھنا آسان نہیں تھا کہ نماز راہ حق میں جہاد کا سب سے بڑا ہتھیار بھی ہے۔

خوب کاروں کا صبر

وَاصْبِرْ فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۔ اسی صبر کو مستحکم اور غیر متزلزل بنانے کے لیے اوپر والی آیت میں جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، نماز کا حکم ہے۔ نماز سے پہلے استقامت اور نماز کے بعد صبر کے ذکر میں ایک اشارہ اس حقیقت کی طرف بھی ہے کہ پامردی اور استقلال محض اسی صورت میں ہے جب آدمی کا رخ صحیح سمت میں ہو۔ علاوہ ازیں ایک اور نکتہ بھی اس آیت میں ہے۔ وہ یہ کہ یوں نہیں فرمایا کہ 'صبر کرو اس لیے کہ اللہ صبر کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرے گا' بلکہ یوں فرمایا کہ 'صبر کرو اس لیے کہ اللہ خوب کاروں کے اجر کو ضائع نہیں کرے گا' اس سے اس حقیقت کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ صبر بھی خدا کے ہاں عزیز و محبوب اور سزاوار اجر انہی لوگوں کا ہے جو اس طرح صبر کریں جس طرح صبر کرنے کا حق ہے۔ رو دھو کر اور گلے شکوے کر کے تو سب ہی صبر کر لیتے ہیں۔ خوب کاروں کا صبر یہ ہے کہ سروں پر آرے چل جائیں لیکن نہ دل گلہ مند ہو نہ پیشانی پر بل آنے پائے۔ جو لوگ اس شان و وقار سے صبر کرتے ہیں ان کا اجر کبھی ضائع نہیں جاتا۔ لفظ 'احسان' پر دوسرے مقام میں بحث کر کے ہم یہ بتا چکے ہیں کہ اس کے معنی کسی کام کو نہایت خوبی کے ساتھ کرنے کے بھی آتے ہیں۔

فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ أُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْأَرْضِ إِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ أَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا أُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ (۱۱۶)

'اولوا بقیۃ' کا مفہوم

یعنی اخیار و صالحین اور حاملین حق۔ عربی میں جب کہیں کہ فلان بقیۃ قومہ تو اس کے معنی ہوں گے کہ وہ اپنی قوم کے اخیار و صالحین میں سے ہے۔

مَا أُتْرِفُوْا فِيْهِ ۔ 'اترفہ المال' کے معنی ہوں گے کہ مال و اسباب نے اس کو طغیان و فساد میں مبتلا کر دیا یعنی اسباب عیش و تنعم کی فراوانی نے ان کو جس سرمستی میں مبتلا کر دیا تھا اسی میں پڑے رہے۔

قریش کو تنبیہ

اب یہ ان معذب قوموں کی طرف، جن کا ذکر اوپر گزرا ہے، اشارہ کرتے ہوئے بتایا ہے کہ کیا چیز ان کی

تباہی کا باعث ہوئی اور مقصود اس سے قریش کو متنبہ کرنا ہے کہ اگر وہی روش تم نے اختیار کرلی تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ تمہارا انجام ان کے انجام سے مختلف ہو۔ فرمایا کہ ان میں ایسے لوگ باقی نہیں رہ گئے تھے جو لوگوں کو خدا کی زمین میں فساد برپا کرنے سے روکتے۔ ان کی اکثریت ایسے ہی لوگوں پر مشتمل تھی جو اسی سرمستی میں مگن پڑے رہے جس میں مبتلا تھے۔ بس تھوڑے ہی لوگ ان میں ایسے نکلے جو خدا سے ڈرنے والے تھے۔ سو ان کو ہم نے نجات دی۔ باقی جنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم ڈھائے وہ اپنی مرغوبات کے پیچھے پڑے رہے اور ہلاک ہوئے اس لیے کہ وہ مجرم تھے۔

وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرَىٰ بِظُلْمٍ وَأَهْلُهَا مُصْلِحُونَ (۱۱۷)

قوموں کی ہلاکت کے باب میں سنتِ الٰہی

اب یہ قوموں کی ہلاکت کے باب میں سنتِ الٰہی واضح فرمائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ وہ کسی قریہ کو ان کے کسی ظلم کی پاداش میں ہلاک کرے جب کہ اس کے باشندے بحیثیتِ مجموعی اصلاح کرنے والے ہوں مطلب یہ کہ خدا کا عذاب کسی قوم پر اس وقت آتا ہے جب قوم کا مزاج بحیثیتِ مجموعی بگڑ جاتا ہے۔ اصلاح کرنے والے یا تو اس میں باقی رہ ہی نہیں جاتے یا رہتے ہیں تو خال خال نہایت قلیل تعداد میں۔ لفظ 'قُرٰی' یہاں قوموں کے مفہوم میں ہے اور 'بِظُلْمٍ' کی تنکیر سے مقصود اس حقیقت کو واضح کرنا ہے کہ انفرادی خرابیاں عذاب الٰہی کا باعث نہیں ہوتیں۔ عذابِ الٰہی اسی وقت نازل ہوتا ہے جب مجموعہ کا مزاج فاسد ہو جاتا ہے۔

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً ۖ وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ ۝ إِلَّا مَنْ رَحِمَ رَبُّكَ ۚ وَلِذَٰلِكَ خَلَقَهُمْ ۗ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ (۱۱۸-۱۱۹)

ہدایت و ضلالت کے معاملہ میں قانونِ الٰہی

یعنی اللہ اگر سب کو ایک ہی امت بنا دینا چاہتا تو وہ ایسا کر تو سکتا تھا، کوئی اس کا ہاتھ پکڑنے والا نہیں تھا لیکن اس نے ہدایت و ضلالت کے معاملے میں اس جبر کو پسند نہیں فرمایا بلکہ اس نے نیکی اور بدی دونوں کو ان کے انجام کی تفصیل کے ساتھ لوگوں کے سامنے رکھ دیا ہے اور انھیں اختیار دیا ہے کہ وہ ان میں سے جس کو چاہیں اختیار کرلیں۔ اگر وہ نیکی کی راہ اختیار کریں گے تو اس کا صلہ آخرت کی ابدی زندگی کی کامرانیاں ہیں اور اگر بدی کی راہ اختیار کریں گے تو آخرت میں اس کی سزا بھگتیں گے۔ 'وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ' یعنی جب اللہ نے اس معاملے میں جبر کو پسند نہیں فرمایا بلکہ لوگوں کو اختیار دیا ہے تو یہ توقع نہیں کرنی چاہیے کہ ہر شخص نیکی ہی کی راہ اختیار کرے گا بلکہ بہتیرے ان میں سے ایسے بھی نکلتے رہیں گے جو تمام تعلیم و تذکیر کے باوجود، اپنے نفس اور شیطان کی پیروی میں بدی ہی کی راہ اختیار کریں گے اور اسی پر جئیں گے، اسی پر مریں گے۔ 'إِلَّا مَنْ رَحِمَ رَبُّكَ' یعنی بدی کی راہ اختیار کرنے سے وہی لوگ محفوظ رہیں گے جن پر تیرے رب کی رحمت ہو۔ یہ بات یہاں سیاق کلام کے اندر مضمر ہے کہ رحمتِ خداوندی کے سزاوار وہی ہو سکتے ہیں جو اپنے سمع و بصر اور عقل و دل کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھائیں اور آنکھیں رکھتے ہوئے ٹھوکریں کھائیں۔ 'وَلِذَٰلِكَ خَلَقَهُمْ' یعنی اللہ نے تو لوگوں کو اسی لیے پیدا کیا ہے کہ وہ اپنے انتخاب و اختیار سے اپنے آپ کو اپنے رب کے فضل و رحمت کا سزاوار بنائیں۔ یہ امتحان

انسان کی خلقت کا ایک لازمی جزو ہے۔ اس سے گزرے بغیر کوئی شخص رحمتِ خداوندی کا حقدار نہیں ہو سکتا۔
وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ: یعنی جو لوگ اس امتحان میں فیل ہو جائیں گے ان کے حق میں تیرے رب کی یہ بات پوری ہو کے رہے گی کہ میں جہنم کو جنوں اور انسانوں سے بھر دوں گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کا حوالہ ہے جو ابلیس کے جواب میں ارشاد ہوا تھا اور جس کی تفصیل دوسرے مقام میں ہے کہ ابلیس نے آدم کو سجدہ سے انکار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے کہا کہ میں ذریت آدم پر ایسے گھیرے ڈالوں گا کہ تو ان میں سے اکثر کو اپنا شکر گزار نہیں پائے گا، اللہ تعالیٰ نے اس کی اس دھمکی کے جواب میں فرمایا کہ میں ایسے تمام جنوں اور تمام انسانوں سے جہنم کو بھر دوں گا۔

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ ۚ وَجَاءَكَ فِي هَٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ (۱۲۰)

سرگزشتیں سنانے سے مقصود

اور حضرات انبیاء علیہم السلام اور ان کی قوموں کی جو سرگزشتیں بیان ہوئی ہیں ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ سرگزشتیں ہم اس لیے سناتے ہیں کہ ان کے وہ پہلو تمہارے سامنے لائیں جو تمہارے دل کو مضبوط کریں تاکہ تم ان حالات کا پامردی اور استقلال کے ساتھ مقابلہ کر سکو جو تمھیں پیش آ رہے ہیں یا آئندہ پیش آ سکتے ہیں۔
اور یہ اطمینان رکھو کہ ان واقعات سے حق کے غلبہ اور باطل کی شکست کی جو تاریخ تمہارے سامنے آئی ہے یہ تمام تر حقائق پر مبنی ہے۔ ایسا ہی ہوا ہے اور ایسا ہی ہوگا۔ یہ سنتِ الٰہی پر مبنی ہے اور سنتِ الٰہی میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ اور ان سرگزشتوں میں ان لوگوں کے لیے بھی موعظت اور یاد دہانی ہے جو تم پر ایمان لائے ہیں۔ مخالفتوں کے اس طوفان میں جن چیزوں سے انھیں بچنا ہے وہ بھی ان سے واضح ہوتی ہیں اور جو روش انھیں اختیار کرنی چاہیے وہ بھی سامنے آتی ہے۔

وَقُل لِّلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ اعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ إِنَّا عَامِلُونَ ۝ وَانتَظِرُوا إِنَّا مُنتَظِرُونَ (۱۲۱-۱۲۲)

مخالفین کو فیصلہ کن جواب

اب یہ آخر میں ایک فیصلہ کن جواب ہے مخالفین کو کہ تم جو کچھ ہماری مخالفت میں کر رہے ہو یا کرنا چاہتے ہو کر لو اور ہم بھی دعوتِ حق کے جس کام کو کر رہے ہیں تمہاری تمام مخالفتوں اور تمام ژاژخائیوں کے علی الرغم کرتے رہیں گے۔ اگر تم عذاب کا مطالبہ کر رہے ہو تو اس کا انتظار کرو، ہم بھی اس کے منتظر ہی ہیں۔ اس لیے کہ وہ تمام علامتیں جو کسی قوم کو مستحق عذاب بناتی ہیں وہ تم میں ایک ایک کر کے نمایاں ہو رہی ہیں لیکن عذاب بھیجنا خدائے علام الغیوب کا کام ہے۔ وہی جانتا ہے کہ کب تمھارا فیصلہ ہونا چاہیے۔

وَلِلَّهِ غَيْبُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَإِلَيْهِ يُرْجَعُ الْأَمْرُ كُلُّهُ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ۚ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ (۱۲۳)

اللہ پر بھروسہ کرنے کی ہدایت

یہ آخر میں سارا معاملہ اللہ کے حوالہ کرنے، ہمہ تن اس کی عبادت میں سرگرم رہنے اور اس پر پورا پورا بھروسہ کرنے کی ہدایت فرمائی گئی کہ آسمانوں اور زمین کا سارا بھید اللہ ہی کے علم و اختیار میں ہے اور سارے معاملات فیصلہ کے لیے

اسی کے حضور میں پیش ہوتے ہیں تو تم اسی کی بندگی کرو اور اسی پر بھروسہ رکھو۔ تمہارا رب جو کچھ تم کر رہے ہو اس سے بے خبر نہیں ہے۔ وہ ہر منزل اور ہر گام پر تمہارے ساتھ ہے۔ وہ تمہاری رہنمائی فرمائے گا اور ہر مشکل میں تمہاری مدد کرے گا۔

یہ آخری سطریں ہیں جو اس سورہ کی تفسیر میں اس ہیچمیرز کو حوالۂ قرطاس کرنے کی توفیق حاصل ہوئی۔ وَ اٰخِرُ دَعْوٰنَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

لاہور

۲ مئی ۱۹۷۰ء

۲۵ صفر ۱۳۹۰ھ